دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۲ ماہ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۱۳ء عدد ۳

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۹۲۶ میں جب علامہ شبلی کی وفات پر ابھی صرف چند برس ہی کا عرصہ گذرا تھا، 'خطوط شبلی' کے مقدمہ میں ان کی تصنیفات کے بارے میں لکھا تھا: ''مولوی شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے، زمانہ کے ہاتھوں کوئی نہیں بچ سکتا، وہ بہت سخت مزاج ہے مگر آخری انصاف اسی کے ہاتھ ہے۔ان کی بعض کتابیں لوگ ابھی سے بھولتے جاتے ہیں اور کچھ مدت بعد وہ صرف کتب خانوں میں نظر آئیں گی''۔ظاہر ہے یہ رائے علامہ شبلی کی تصنیفات کی قدر و قیمت کے کسی معروضی تجزیہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ یہ ان کی اپنی دلی خواہش کا اظہار تھا۔ان کی آرزو تھی کہ زمانہ ان کی تصنیفات کے ساتھ یہی معاملہ کرے لیکن اس کا جو انجام ہوا وہ بڑا سبق آموز ہے۔واقعہ یہ ہے کہ سخت مزاج زمانہ اس سلسلہ میں اپنا فیصلہ اس سے بہت پہلے دے چکا تھا جب یہ مقدمہ لکھا جا رہا تھا اور اس پر ایک صدی سے زیادہ طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ اس نے اس پر نظر ثانی کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی بلکہ بار بار اس پر مہر توثیق ثبت کرتا رہا ہے۔یہ الگ بات تھی کہ علامہ شبلی کے خلاف ان کے دل میں جو شدید کدورت تھی اس کی وجہ سے وہ اس کا ادراک کرنے سے قاصر رہے۔زمانہ نے تو اپنا فیصلہ اسی وقت دے دیا تھا جب ۱۸۸۷ میں ان کی پہلی تصنیف 'المامون' منظر عام پر آئی اور چند مہینوں کے اندر اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑ گئی جسے سرسید نے اپنے معرکہ آرا مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۸۹۴ میں بی۔اے کیا چنانچہ اس وقت تک وہ شاید علی گڑھ میں وارد بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔واقعہ یہ ہے کہ شبلی شکنی کی منظم اور مسلسل مہم کے باوجود، جس میں خود مولوی صاحب کا بڑا ہاتھ رہا ہے، ابتدا ہی سے علامہ شبلی کی تصنیفات کو اہل علم کے درمیان جو قبول عام حاصل رہا ہے برصغیر کی علمی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔اشاعت سے پہلے ہی ان کی کتابوں کا غلغلہ جس طرح پورے ملک میں بلند ہو جاتا تھا اور اہل علم ان کے لیے جس طرح چشم براہ رہتے تھے وہ عدیم النظیر ہے۔ان کی تصنیفی زندگی کی ابتدا سے دور حاضر تک ان کی بیشتر تصنیفات کے جتنے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں شاید ہی برصغیر کی تاریخ میں کسی خالص علمی اور تحقیقی کتاب کے اتنے ایڈیشن نکلے ہوں۔اس سلسلہ میں اگر مثال کے طور پر ہم ان کی شہرۂ آفاق کتاب 'الفاروق' کو دیکھیں تو جو صورت حال ابھر کر سامنے آتی ہے وہ ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز ہے۔سال رواں کی ابتدا میں جب 'آثار شبلی' شائع ہوئی تھی اس وقت تک اس کتاب کی معلوم اشاعتوں کی تعداد ۴۳ تھی۔گذشتہ چند مہینوں میں اس سلسلہ میں جو مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے پیش نظر اب اس کتاب کی معلوم اشاعتوں کی تعداد پچاس سے تجاوز کر چکی ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ہند و پاک کے بے شمار اداروں نے اس کتاب کو اتنی بار شائع کیا ہے کہ پورے طور پر اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔کم و بیش یہی صورت حال ان کی دوسری کتابوں کی بھی ہے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔اگر علامہ شبلی زبان حال سے یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا

و ما الدھـر الا مـن رواۃ قصائـدی اذا قلـت شعـرًا اصبـح الدھـر منشدا

یہی صورت حال دوسری زبانوں میں علامہ شبلی کی تصانیف کے تراجم کی ہے۔دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کتابوں کے ترجمے ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔مصری اسکالر جناب جلال حفناوی علامہ کی کئی کتابوں کو عربی کا قالب عطا کر چکے ہیں۔ان دنوں وہ شعرالعجم کے ترجمہ میں مصروف ہیں۔تین جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور باقی دوجلدوں کی تکمیل کی جلد توقع ہے۔ساتھ ہی وہ الکلام اور علم الکلام کا ترجمہ بھی کررہے ہیں۔ان کتابوں کے علاوہ جو پہلے ہی فارسی میں منتقل کی جا چکی ہیں گذشتہ دنوں ابوالحسین عبدالمجید مرادزہی خاشی نے سیرت النبیؐ حصہ اول کا ترجمہ 'فروغ جاویداں' کے نام سے زاہدان سے شائع کیا ہے۔بشیر احمد ریان نے الغزالی اور سیرت النعمان کے پشتو ترجمے قندہار اور کابل سے شائع کیے۔آکسفورڈ سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے سفرنامہ کا عربی اختصار دارالقلم، دمشق سے شائع کیا۔ترکی زبان میں الفاروق کے دوسرے ترجمہ کا ذکر ان اوراق میں اس سے پہلے ہو چکا ہے۔شعرالعجم اور دوسری تصانیف کے فارسی تراجم کے حوالہ سے جو وسیع لٹریچر خاص طور سے ایران میں معرض وجود میں آچکا ہے اس کا احاطہ ابھی تک نہیں کیا جاسکا ہے۔علامہ شبلی کی علمی فیض رسانی کا دائرہ صرف برصغیر تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے اثرات پوری علمی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک عالم ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

ہندو پاک کے علمی اور تحقیقی مجلّات اور رسائل میں علامہ شبلی کی کثیر الابعاد شخصیت کی مختلف جہات پر تسلسل سے مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ گذشتہ دنوں شبلیات پر کتابوں، پی۔ایچ۔ڈی اور ایم۔فل کے لیے تحقیقی مقالات کی صورت میں بڑا وقیع لٹریچر سامنے آیا ہے۔اس سلسلہ میں کسی قدر تفصیلات پیش خدمت ہیں۔ 'شبلی کی علمی وادبی خدمات' (ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی)، 'علامہ شبلی نعمانی۔شخصیت اور شاعری' (ڈاکٹر مطیع الرحمٰن غاسق)، 'تفہیم شبلی' (ڈاکٹر ارشاد احمد نیازی)، 'تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد' (ڈاکٹر شاداب عالم)، 'مکتوبات شبلی'، 'شبلی سخنوروں کی نظر میں'، 'شبلی کے نام اہل علم کے خطوط' (ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی) 'شبلی کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ' (فیضان اعظمی، مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، دہلی یونیورسٹی)، 'کلیات شبلی (اردو) کا تنقیدی مطالعہ' (محمد محامد ہلال اعظمی، مقالہ برائے ایم۔فل، حیدرآباد یونیورسٹی) اور 'علامہ شبلی کی شعری لفظیات کا تنقیدی تجزیہ' (احمد کلیم فلاحی، مقالہ برائے ایم۔فل، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)۔اس کے علاوہ ملک اور بیرون ملک کئی اسکالر اس موضوع پر کام کررہے ہیں۔خود دارالمصنفین سے گذشتہ دنوں اس موضوع پر ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دو کتابیں 'کتابیات شبلی' اور 'آثار شبلی' شائع ہوچکی ہیں۔ڈاکٹر شمس بدایونی کی کتاب 'شبلی کی ادبی وفکری جہات' انشاءاللہ جلد آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔

شبلی ز خیل زمزمہ سنجاں حشم گرفت با آں کہ ہیچ گونہ ز خیل و حشم نداشت

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مایہ ناز فرزند اور ملک کے نامور سائنسداں پروفیسر عبید صدیقی ۲۶ جولائی کو ایک حادثہ میں انتقال کرگئے۔ان کا تعلق غازی پور میں شرفاء کی مشہور بستی سید پور بھتری کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔

ماضی میں اس خاندان کی بڑی امتیازی دینی اور مذہبی شناخت رہی ہے۔خود ان کی شخصیت کے اندر علم، شرافت اور تواضع کا بڑا خوبصورت امتزاج پایا جاتا تھا۔ان کی پیدائش ۷ جنوری ۱۹۳۲ء میں بستی میں ہوئی۔ان کے والد محمد عبدالقدیر صدیقی صاحب آخری عمر میں اپنے دوسرے بیٹے اور راقم حروف کے قدیم کرم فرما پروفیسر اسلم قدیر صاحب کے ساتھ یونیورسٹی کے ذاکر باغ میں رہتے تھے۔قدیر صاحب کے علامہ شبلی کے بیٹے حامد حسن نعمانی صاحب سے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ان کی بیٹی ڈاکٹر نسیم جہاں ڈھاکہ سے علی گڑھ آئیں تو خاص طور سے قدیر صاحب اور بیگم صاحبہ سے ملنے گئیں۔عبید صدیقی صاحب کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی جہاں سے انہوں نے باٹنی میں ۱۹۵۲ء میں ایم۔ایس۔سی کی سند حاصل کی اور اسی شعبہ میں تقریباً تین سال بحیثیت لکچرر خدمات انجام دیں۔یہیں انہیں Molecular Biology سے دلچسپی پیدا ہوئی جو ان کی زندگی کا مشن اور ان کی شناخت بن گئی۔طالب علمی کے زمانہ میں ان کا شمار یونیورسٹی کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے والے نمایاں طالب علموں میں ہوتا تھا اور وہ اپنے وقت کے بہترین ڈیبیٹر تسلیم کیے جاتے تھے۔سلطان نیازی جیسے شعلہ بیان مقرر کی موجودگی میں یہ یقیناً ایک بڑا امتیاز تھا۔علی گڑھ کے بعد انہوں نے کچھ دنوں انڈین ایگریکلچرل انسٹیٹیوٹ، دہلی میں بھی کام کیا۔انہیں پی۔ایچ۔ڈی کے لیے یونیورسٹی آف گلاسگو کے ڈیپارٹمنٹ آف جینیٹکس میں کام کرنے کا موقع ملا اور ان کے اصل جوہر یہیں کھلے۔اس کے بعد ان کو یورپ اور امریکہ کے بہترین اداروں میں ممتاز ترین سائنسدانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اور ہر جگہ وہ اپنی صلاحیت کی واضح چھاپ چھوڑنے میں کامیاب رہے۔۱۹۶۰ کی دہائی میں انہوں نے TIFR ممبئی میں ڈیپارٹمنٹ آف بایولاجیکل سائنسز کی تاسیس کی۔اس کے بعد ۱۹۹۰ کی دہائی میں انہوں نے بنگلور میں نیشنل سنٹر فار بایولاجیکل سائنسز قائم کیا اور آخر تک اس کے ڈائرکٹر رہے۔ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے سائنسدانوں میں ہوتا تھا۔ملک سے باہر بھی عالمی سائنسی برادری میں بھی ان کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔وہ ان معدودے چند ہندوستانیوں میں شامل تھے جنہیں امریکہ کی نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کی رکنیت اور رائل سوسائٹی آف لندن کے سینیر فیلو ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ہندوستان میں سائنس سے تعلق رکھنے والے تقریباً ہر بڑے اعزاز سے وہ سرفراز ہوئے۔ملک اور بیرون ملک ان کو دئے جانے والے اعزازات کی فہرست طویل ہے اور ان سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔وہ نیشنل اکیڈمی آف سائنسز کے صدر نشین اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے چانسلر رہے۔ان کی مادر علمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی اور ہمدرد یونیورسٹی نے انہیں DSC کی اعزازی ڈگری تفویض کی۔حکومت ہند نے انہیں پدم وبھوشن کا اعزاز بخشا۔ان کے انتقال سے ہندوستان کی سائنسی برادری میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، ہندوستانی مسلمانوں کے لیے خاص طور سے اس قد وقامت کے سائنسداں کا اٹھ جانا ایک بڑا سانحہ ہے۔اس کمی کو مدتوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔وطن عزیز میں جہاں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی میں مسلمانوں کی حصہ داری کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہے ان کی خدمات غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔اس کے لیے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اجر سے نوازے۔

مقالات

الشفا: از قاضی عیاضؒ تعارف و تجزیہ

مولانا محمد علاء الدین ندوی

حالات زندگی: مشہور محدث، فقیہ، قاضی، سیرت نگار اور ادیب و شاعر عیاض بن موسی بن عیاض بن محمد بن عبداللہ بن موسی بن عیاض یحصبی، سبتی ۵/شعبان ۴۷۶ھ مطابق ۲۸/دسمبر ۱۰۸۳ء کو سبتہ (Ceuta) میں پیدا ہوے اور اپنے وطن سے دور مراکش میں رجب ۵۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۱۴۹ء میں وفات پائی، انہوں نے براہ راست جن اہل علم وفضل اور مشائخ کبار سے استفادہ کیا اور مدتوں جن کی خدمت میں زانوے تلمذ تہہ کیا ان کی تعداد کم نہیں، یہ اپنے وقت کے نامور اہل فن اور چیدہ علماء تھے اور سچ تو یہ ہے کہ بقول مصنف ''ازہارالریاض'' شارح ''الشفا: قاضی عیاض کے شیوخ کی تعداد لگ بھگ سو تک پہنچتی ہے(۱) متعدد ایسے شیوخ بھی ہیں جن سے انہوں نے براہ راست استفادہ تو نہیں کیا مگر انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ایک طویل مدت تک وہ اپنے شہر سبتہ میں قضاء کے منصب پر فائز رہے، اس دور میں ان کی شخصیت اور کارناموں کا خوب شہرہ ہوا، پھر ان کو سبتہ سے غرناطہ بلایا گیا اور وہاں قضاء کا منصب سونپا گیا، لیکن اس کی مدت زیادہ نہیں رہی۔

قاضی عیاض کے صاحبزادے ابوعبداللہ اپنے والد بزرگوار کے اوصاف و کمالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''میرے والد کی پرورش بڑے صاف ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی تھی، وہ آسودہ حال تھے، قول وفعل کے پکے تھے، وہ شرافت، فہم ودانش اور قابلیت اور مہارت کے جوہر سے متصف تھے، علم کے حریص اور اس کے لیے

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

کوشاں رہتے تھے، علماء و مشائخ کی مجالس میں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کے ساتھ کثرت سے نشست و برخاست رکھتے تھے، قرآن کریم کے حافظ تھے، حسن قراءت و تجوید، تفسیر و حدیث اور علوم شریعت میں ید طولی رکھتے تھے، اپنے زمانے کے نامور محدث تھے، اصولی، متکلم اور فقیہ تھے، ادب و زبان پہ گہری نظر تھی اور تاریخ گویا ازبر، ظریف، ملنسار، مرنجاں مرنج، صابر و شاکر، حلیم و بردبار، خوش معاملہ، سخی و فیاض، محنت کے دھنی اور حق کے سپاہی تھے''۔(۲)

علامہ ملاحیؒ فرماتے ہیں:

''قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ علم کے دریا، اور دینداری و حلم و بردباری کے پہاڑ تھے، قرات سبعہ کے ماہر تھے، علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل تھا، فکر و رائے کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے، اصول و علم کلام کی سربراہی کر رہے تھے، اسماء الرجال میں کامل تھے، علم نحو میں مکمل دسترس تھی، انہوں نے زبان کے نوک پلک درست کیے، فقہائے عصر، علمائے دوراں، اور نامور ادباء کی سرپرستی فرمائی اور ان کے علوم و فنون کی پاسداری کی''۔(۳)

علامہ مقریؒ فرماتے ہیں:

''قاضی عیاض سنت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، عالم باعمل تھے، اللہ سے ڈرنے والے اور عاجزی و زاری کرنے والے تھے، حق کے اعلان اور اللہ کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے، ضبط احادیث کا بڑا اہتمام تھا، ان کی کتاب ''المشارق'' اس کی عمدہ دلیل ہے، وہ بڑے حاضر دماغ، بیدار مغز اور بلا کے ذہین تھے، مختلف علوم و فنون کے مواج سمندر میں قدم رکھا اور شناوری کا خوب خوب جوہر دکھایا، وہ بڑے خوش خط تھے، خط مغربی میں مہارت رکھتے تھے، بڑے دقیقہ سنج، نکتہ رس اور فکر رسا کے مالک تھے، ان کی تصنیفات ان کے کمالات کی دلیل ہیں''۔

فقہ مالکی میں تو انہیں کمال اور ید طولی حاصل تھا، ''المدونۃ الکبریٰ'' کے مشکل الفاظ کے حل، ان کے اعراب اور روایت ورواۃ کی تعیین میں انہیں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۴)

تالیفات وتصنیفات: ان کا شمار کثیر التصانیف اہل علم میں ہوتا ہے، چند اور تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱- المستنبطة فی شرح كلمات مشكلة و ألفاظ مغلطة مما وقع كتاب المدونة، اس کا دوسرا نام التنبيهات بھی ہے۔ ۲- القنية ،ان کے شیوخ کے حالات پر ہے۔ ۳- ترتيب المدارك و تقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك ۔ ۴- الالماع فی ضبط الرواية و تقييد السماع ۔ ۵- اكمال المعلم فی شرح مسلم (انتیس جلدوں میں)۔ ۶- الاعلام بقواعد الاسلام ۔ ۷- بغية الرائد كما تضمن حديث أم زرع من الفوائد ۔ ۸- المقاصد الحسان فيما يلزم الانسان۔

بعض کتابیں ان کی بیاض میں ملیں جو تشنۂ تکمیل رہیں:

۹- نظم البرهان على صحة جزم الأذان ۔ ۱۰- الفنون الستة فی أخبار سبتة۔ ۱۱- غنية الكاتب، وبغية الطالب فی الصدور والترسيل ۔ ۱۲- تاريخ المرابطين۔ ۱۳- الجامع للتاريخ ۔ ۱۴- أجوبة القرطبيين (۵)

الشفا کی اہمیت: لیکن ان کی تصانیف میں سب سے مہتم بالشان اور شہرہ آفاق کتاب **الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ** ہے جو سیرت کی چند مایہ ناز کتابوں میں سے ہے، یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کے مناقب وفضائل اور آپؐ کے حقوق وفرائض پر مشتمل ہے، مصنف کے طرز تصنیف، ابواب وفصول کی تفصیل اور کثرت سے روایات وواقعات کے پیش کرنے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ان تمام گوشوں پر محیط ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کمالات وفضائل اور شمائل وخصائل سے متعلق ہیں۔

مصنف نے مشکوٰۃ نبوت کو جلوہ آرا کرنے کے لیے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر انحصار کیا ہے اور مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کے آراء واقوال سے مدلل کیا ہے، اس کتاب

کی علمی اور تحقیقی روش ان کے عصر کے لحاظ سے اگر بڑی نرالی نہیں تو کم یاب بات ضرور ہے، ہر موضوع کے لیے الگ الگ ابواب پھر ان موضوعات کو مختلف عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر عنوان کے تحت قرآنی آیتیں، احادیث نبویہ، صحابہ اور تابعین کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔

علامہ مقریؒ ''ازہارالریاض'' میں فرماتے ہیں:

''مشرق سے لے کر مغرب تک اس کتاب کی دھوم مچ گئی، عوام و خواص، عرب و عجم سبھی اس کے شیدا ہیں، اس کتاب کو پیش کر کے مصنف نے اللہ کی قربت حاصل کر لی، اس کی خصوصیات ناقابل شمار ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ظاہری جمال اور باطنی کمال کو نمایاں کرتے ہوئے یا اعجاز قرآنی پہ گہرافشانی کرتے ہوئے، مصنف کی شیریں بیانی، قلم کی روانی، زبان کی پختگی، ادب کی چاشنی اور تحریر کی شگفتگی کو دیکھ کر اس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عطیۂ ربانی اور رحمت خداوندی ہے جو باد بہاری بن کر ان کے چمن حیات پر چلی ہے''۔(۶)

شیخ ابوالحسین عبیداللہ احمد بن عبدالمجید الازدی الرُندی جو اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد تھے فرماتے ہیں:

''ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس کتاب کے مصنف کو بہترین بدلہ عطا کرے، انہوں نے علم کے باوقار میدان میں قدم رکھا اور بہت آگے نکل گئے، انہوں نے زمانے کی گردن میں علوم و معارف کی حسین لڑی پہنائی اور حقائق و اسرار کے موتی لٹائے، انہوں نے شفا کے جام سے ہر مومن صادق کے قلب و نگاہ کو مخمور کر دیا، ایک مسلمان جب ان کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا قلب و باطن منور ہو جاتا ہے اور جب وہ اس کے معارف و حقائق کے چمنستان میں محو خرام ہوتا ہے تو نسیم سحری کے جھونکوں کا کیف محسوس کرتا ہے اور اس کے ریاض دل کے گل و سوسن کھل اٹھتے ہیں، مصنف کے کارہائے نمایاں کی توصیف و تقریظ بیان کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے:

کتاب الشفاء شفاء القلوب قد ائتلفت شمس برهانه

اذاطـــالـع الـمـومن مضـمـونه رسـا فـی الهـدی أصـل ایمـانـه

ومـال بـروض التـقـی نـاشقـا روائـــح أزهـــار أفـــنانـه

۱-کتاب شفا امراض قلوب کے لیے باعث شفا ہے،اس کی دلیل و برہان کا سورج درخشاں ہے۔ ۲-جب مسلمان اس کے مضامین کا مطالعہ کرتا ہے تو ہدایت کی سرزمین میں اس کے شجر ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ۳-وہ اس کے مطالعہ سے گویا باغ تقوی میں چہل قدمی کرتا ہے جس کے گلہائے رنگا رنگ کی خوشبوؤں سے وہ معطر ہوتا ہے۔(۷)

شیخ حافظ امام ابوعبداللہ محمد بن سعد تلمسانیؒ فرماتے ہیں:

''قاضی ابوالفضل کی تالیفات اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کی بارگاہ میں ان کا بڑا رتبہ ہے،مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کو ان کی تصانیف سے استفادہ کرتے ہوئے جو بھی دیکھے گا تو وہ یہی کہے گا کہ یہ خدا سے قربت و ولایت کے اسرار ہیں،ان کی یہ کتاب (شفاء) جبین حسن پر دمکتے ہوئے لعل کے مانند ہے،اس کی تعریف میں کسی باکمال نے کہا ہے:

أنـــس الـوحـيـد وديـمة الأنـداء ونسيـم عـرف الـروضة الغنـاء

وہ تنہائیوں کا انیس وہمدم ہے،وہ بارش کی ہلکی ہلکی پھوار ہے اور بلندیوں میں واقع گھنے باغات سے آتی ہوئی بادصبا کی مشک باری ہے''۔(۸)

ملاعلی قاریؒ رقم طراز ہیں:

''کتاب شفا درشمائل وخصائل مصطفیٰ جامع ترین تصنیف ہے،جس میں اجمالاً موضوع کا حق ادا کردیا گیا ہے،یہ بلند پایہ تصنیف مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول اور پسندیدہ رہی ہے''۔(۹)

مرزا محمد باقر موسویؒ المولود ۱۲۲۶ھ لکھتے ہیں:

''ہمارے اصحاب یعنی فرقۂ امامیہ کے لوگوں نے بھی اس کے بکثرت اقتباسات نقل کیے ہیں،درحقیقت اس میں بے شمار فوائد،بلند تحقیقات اور رسول اللہ کی ولادت سے وفات تک کے حالات وواقعات کے متعلق حدیثیں شامل ہیں،مصنف

نے اس میں اکابر شیوخ سے روایتیں نقل کی ہیں''۔(۱۰)

مولانا سید سلیمان ندویؒ اس کی خصوصیت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ کتابیں جو آنحضرت ﷺ کے صرف اخلاق وعادات اور فضائل ومعمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سی پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذیؒ المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے، جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی ''کتاب الشفاء فی حقوق المصطفی'' قاضی عیاض کی ہے اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی''۔(۱۱)

''رسول اللہ ﷺ کے اخلاق طاہرہ اور اوصاف عالیہ اور آداب فاضلہ کے بیان وتفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفاء اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کرانے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفاء کا یورپین زبان میں ترجمہ کردیا جائے''۔(۱۲)۔

شرحیں: اس کتاب کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۱-**نسیم الریاض فی شرح الشفا للقاضی عیاض** از علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی المصری، جو چار جلدوں میں قاہرہ میں اور استانبول میں چھپ چکی ہے۔

۲-**شرح الملا علی قاری** از **علی بن محمد سلطان البردی الحنفی المعروف بالقاری**، یہ دو بڑی جلدوں میں آستانہ اور بولاق میں چھپی ہے۔

۳-**المدد الفیاض** از **شیخ حسن العدوی الحمزاوی** یہ دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۴- **المنهل الاصفا فی شرح ماتمس الحاجة الیه من ألفاظ الشفاء** از ابوعبداللہ محمد بن شریف الحسنی التلمسانی۔

۵-**الاصطفاء لبيان معانی الشفاء** از شیخ شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافعی۔

۶-**مزيل الخفا لألفاظ الشفاء** ازعلامہ تقی الدین احمد بن محمد الشمنی التمیمی (مخطوطہ)۔

۷-**المقتفى فى حل ألفاظ الشفاء** ازعلامہ برہان الدین ابراہیم الحلبی (مخطوطہ)۔

۸-**مناهل الصفا فى تخريج أحاديث الشفاء** ازعلامہ جلال الدین سیوطی، یہ شرح نہیں بلکہ شفاء کی احادیث کی تخریج ہے، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے۔اس پر شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد ابن محمد الشمنی کا حاشیہ ہے۔

اس کتاب کی اہمیت اوراس کی عظمت کا اندازہ بکثرت پائے جانے والے ان مخطوطہ نسخوں سے ہوتا ہے جو دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں،صرف ازہر کی لائبریری میں اس کے ۴۹ اور دارالکتب کی لائبریری میں ۴۲ مخطوطہ نسخے موجود ہیں۔(۱۳)

شفا کے منظر عام پر آنے کا محرک: شفا کے مقدمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی عیاض نے کسی سائل کے اصرار یا لوگوں کے عمومی تقاضے پر یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے،ان کا مقدمہ ہر چند کہ مسجع ومقفیٰ اسلوب میں ہے اور یہ اس عہد کے اسلوب کی غمازی کرتا ہے جب زبان میں صنعت وتکلف کی گرم بازاری شروع ہوگئی تھی،تاہم مصنف کا مقدمہ از دل خیزد بردل ریزد کے مصداق ہے، ان کی زبان کی تاثیر اور محبت رسولؐ کی مشکباری ہر پڑھنے والا محسوس کرے گا، فرماتے ہیں:

> ''تم نے بارہا سوال اور اصرار کیا کہ ایک ایسی کتاب منظر عام پر آنی چاہئے جو فضائل مصطفیٰ اور شمائل نبویہ پر مشتمل ہو،اس میں یہ بتایا گیا ہو کہ آپؐ کی تعظیم وتوقیر کے احکام کیا ہیں،آپ کی جلالت شان اور سیرت مبارکہ پر اعتراض کرنے یا گستاخی کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ یہ ساری باتیں قرآن اور سنت،سلف صالحین اور ائمہ امت کے اقوال وآراء کی روشنی میں پیش کی جائیں تاکہ ہر طرح کے اشکالات رفع ہوجائیں اور عظمت وحقوق مصطفیٰ کی تصویر ہوبہو ہویدا ہوجائے۔

خدا تمہیں عزت وسرفرازی بخشے تم نے مجھ پر عظیم ذمہ داری عائد کر دی ہے، یہ مطالبہ کر کے تم نے مجھ کو سخت ذہنی کشاکش میں مبتلا کر دیا ہے، تم نے میرے قدم دشوار گذار راہوں میں ڈال دئے ہیں، تمہاری اس خواہش اور مطالبہ کے سنتے ہی میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا، کیونکہ تصنیف ایسے امور کی متقاضی ہے کہ ہر بات اصول کی روشنی میں کہی جائے اور ابواب وفصول کے انداز میں ترتیب دی جائے، حقائق علمیہ کے سمندر میں غواصی کی جائے، غموض وابہام اور شکوک وشبہات کا پردہ چاک کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ حقوق مصطفیٰ کیا ہیں؟ اس مسیحائے انسانیت کی شان میں کن امور کا انتساب ضروری یا جائز یا ناجائز ہے، نبی، رسول، رسالت، نبوت، محبت، خلت اور ان کے خصائص اور فرق مراتب کو سمجھایا جائے، لیکن یہ وہ بیابان لامتناہی ہے جس میں قطا جیسا ذہین و ہشیار پرندہ بھی راستہ بھٹک جاتا ہے، اس ریگستان میں سفر کرتے ہوئے ماہر و تجربہ کار صحرانشیں بھی پیچ وتاب کھاتا ہے، یہ وہ راہ پرخطر ہے جس میں خردمندان زمانہ بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتے، اگر ان کے ساتھ گہرا علم، پختہ فکر اور بصیرت کی شمع فروزاں نہ ہو اور یہ وہ شاہراہ ہے کہ اگر توفیق الٰہی یاوری نہ کرے تو بھٹک جانا بہت آسان ہے۔

لیکن جب میں نے اپنے لیے اور تمہارے لیے اس ''سوال وجواب'' میں اس اجر وثواب پہ نظر ڈالی جو آپؐ کی عظمت کے بیان، شخصیت کے تعارف و توصیف، آپؐ کے اخلاق کریمانہ اور اوصاف وکمالات کے اظہار میں اللہ نے فرمائی ہے اور یہ اوصاف وکمالات آپؐ کی ذات گرامی کے سوا کبھی کسی دوسرے انسان میں دیکھے نہ گئے، پھر یہ کہ آپؐ کے حقوق کی بجا آوری جو ہر حق سے بڑھ کر ہے، جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور انہی مناقب اور محاسن کو دیکھ کر صداقت نبوت پر اہل کتاب کا یقین واعتماد پختہ ہوتا ہے اور اہل ایمان کا ایمان جلا پاتا ہے، علاوہ ازیں خدا نے عہد ومیثاق لے رکھا ہے کہ وہ حکمت ودانائی کی تبلیغ وتوضیح

کریں گے اور کتمان علم کے مرتکب نہ ہوں گے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی سے کوئی علم دریافت کیا، پھر اس نے کتمان علم سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے آگ کی لگام پہنائے گا (۱۴) تو میں نے تمہاری اس دعوت پر لبیک کہا اور سیرت مصطفیٰ کے حقوق وفرائض بیان کرنے اور نکات ولطائف سے پردہ اٹھانے اور حتی الوسع اس کا حق ادا کرنے کا تہیہ کرلیا اور انتہائی عجلت میں یہ کتاب مرتب کرڈالی، کیونکہ ہر انسان کے ساتھ جسم وجان اور اہل وعیال کی مشغولیتیں لگی ہوئی ہیں، ذمہ داریاں بھی اس پر آن پڑتی ہیں، جو ابتلاء وآزمائش کے سوا کچھ نہیں ہوتیں''۔(۱۵)

الشفا کا تعارف: الشفا کا جونسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء بیروت کا چھپا ہوا ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، یہ ایک محقق نسخہ ہے جس کی تحقیق علی محمد بجاوی نے کی ہے، اس کے کل صفحات ۱۱۱۶ ہیں، مگر پرانا مطبوعہ نسخہ ایک ہی جلد میں چھپا ہے، اس کے کل صفحات تقریباً ۵۰۰ ہیں۔

مصنف نے کتاب کو چار حصوں، بارہ ابواب اور ایک سو بیالیس فصلوں پر تقسیم کیا ہے، اپنی کتاب کے تیسرے حصے کو جو عصمت انبیاء پہ دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہے پوری کتاب کا لب لباب قرار دیا ہے، جبکہ حصۂ اول ودوم اور ان کے ابواب وفصول کو تمہید اور اصول بتایا ہے جو مابعد کے مباحث کے لیے فیصلہ کن دلائل وبراہین ہیں۔

۱۹۸۶ء میں راقم نے اس شہرۂ آفاق کتاب کی تلخیص، تنقیح اور ترجمانی کا کام انجام دیا ہے جو ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی ہے، میں نے اس کو چار کے بجائے پانچ حصوں میں اور ۱۲ کے بجائے ۱۵ ابواب میں تقسیم کردیا ہے، مصنف نے صرف فصل قائم کرکے حاصل مطالعہ، علمی نکات، سوز ودرد اور عشق ووارفتگی کو زندہ اسلوب اور توانا تحریر میں پیش کیا ہے، مگر راقم مترجم نے فصل کی جگہ فحوائے کلام کی روشنی میں جلی سرخیاں اور ذیلی عناوین قائم کردئے ہیں، کتاب کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہوسکے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے منتخب موضوعات کی ایک جھلک پیش کردی جائے۔

حصہ اول، باب اول: رسالت مآبؐ کی مدح وستائش اور محاسن وفضائل کا ذکر، اس باب میں دس ذیلی عناوین ہیں، مثلاً: ۱-فخر شرافت ونازش رحمت۔ ۲-مشکوۃ نبوت ہر جہاں میں ضوفگن ہے۔

باب دوم: ظاہری وباطنی کمالات۔ اس باب کے تحت ۲۷ ذیلی عنوانات ہیں مثلاً: ظاہری و باطنی کمالات۔ رسول اللہ ﷺ کی جامعیت وکاملیت۔ اخلاق کا سرچشمہ۔ انبیاء کے ظاہری کمالات۔

باب سوم: دونوں جہاں میں آپؐ کی فضیلت۔ اس باب کے تحت ۲۰ ذیلی عناوین قائم کئے گئے ہیں مثلاً: امی لقب کا کوئی مماثل نہیں۔ اسرا ومعراج۔ آخرت میں آپؐ کی فضیلت۔ **لیس کمثله شئی ۔**

حصہ دوم باب اول: معجزات پہ چند بحثیں۔ اس باب کے تحت ۱۸ عناوین قائم ہوئے ہیں مثلاً: دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی۔ قرآن کریم کے اعجاز کے چند پہلو۔ اعجاز کے دیگر وجوہ۔

باب دوم: معجزات رسول کی چند مثالیں اس باب میں ۱۸ عناوین پر گفتگو ہوئی ہے۔

باب سوم: معجزات کی چند دوسری شکلیں۔ اس کے تحت ۱۲ عناوین قائم کر کے معجزات کی وہ شکلیں دکھائی گئی ہیں جن کی طرف لوگوں کا ذہن عموماً نہیں جاتا، مثلاً حساب، خط وتحریر، غیر عربی زبانوں سے واقفیت وغیرہ۔

حصہ سوم باب اول: ایمان بالرسول۔ اس باب کے تحت ۱۲ عناوین قائم کر کے اطاعت رسول، محبت رسول پہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

باب دوم: ادب گہ مصطفیٰ۔ اس باب میں ۶ عناوین کے تحت تعظیم وتوقیر رسول پہ فاضلانہ اور عاشقانہ گفتگو ہوئی ہے۔

باب سوم: درود وسلام کی فرضیت وفضیلت۔ اس ضمن میں ۱۲ عناوین قائم ہوئے ہیں اور درود وسلام کی فضیلت کے علاوہ روضہ اطہر کی زیارت، مسجد نبوی اور خانۂ کعبہ کے فضائل پر مضامین ہیں۔

حصہ چہارم باب اول: آپؐ پیکر خاکی میں یکتا تھے۔ کتاب کی معرکتہ الآرا بحث اسی حصہ میں آئی ہے، اس باب کے تحت ۱۷ ذیلی عناوین ملیں گے۔ مثلاً: عصمت انبیاء قبل از نبوت۔ عصمت نبی اقوال وافعال میں۔ حدیث سہو کی توجیہ۔

باب دوم: اقوال واعمال میں سہو ونسیان کا حکم۔ اس کے تحت ۶ عناوین ملیں گے۔

باب سوم: انسانی عوارض انبیاء پر بھی لاحق ہوتے ہیں، مثلاً: نبی پر جادو کا اثر۔ تعریض و توریہ۔ انبیاء کو امراض میں مبتلا کرنے کی حکمت۔

حصہ پنجم باب اول: رسالت مآبؐ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا حکم۔ اس کے تحت ۹ عناوین پر سیر حاصل بحث ملے گی۔

باب دوم: شاتم رسول کے احکامات۔ یہ بحث چھ عنوانوں کے تحت ہے۔

باب سوم: اس میں ۸ عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

کتاب سے چند شاہکار نمونے، ظاہری و باطنی کمالات: قوائے نفس کو ضبط واعتدال کی راہ پر لگایا جائے اور انحراف و کجروی سے بچایا جائے تو حسن اخلاق کی جلوہ گری ہوتی ہے، صاحب خلق قرآن کی توصیف میں فرمایا گیا، **انک لعلی خلق عظیم**، مصنف نے اخلاق کے ظاہری و باطنی کمالات پر گفتگو میں فرمایا:

> ''اللہ نے آپ کو ظاہری جمال، باطنی کمال اور دینی اور دنیاوی خوبیوں سے بدرجہ اتم سرفراز فرمایا تھا، لہٰذا رسول کائنات سے عشق ومحبت رکھنے والوں اور آپ کے جملہ صفات وکمالات کی تابش سے زندگی کو سنوارنے والوں کو جاننا چاہئے کہ انسانوں میں عظمت وکمال دو طرح کے ہوتے ہیں:
>
> ایک دنیوی یا ضروری کمال جو انسانی فطرت اور ضروریات زندگی کا ناگزیر حصہ ہے
>
> دوسرا دینی یا کسبی کمال جس سے اگر کوئی شخص متصف ہوتا ہے تو لائق ستائش اور باعث عز وشرف سمجھا جاتا ہے۔ اور خدا کی قربت اور اجر وثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔

ایک اور حیثیت سے دیکھئے تو عظمت وکمال کی ان دوقسموں کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں۔۱-بعض لوگوں کے اندر صرف پہلی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۲-اور بعض لوگوں میں دونوں خصوصیتیں دیکھی جاتی ہیں۔

جن خصوصیات کا تعلق خالص دنیاوی تقاضوں سے ہے اس میں انسان کے اختیار واکتساب کو کوئی دخل نہیں ہوتا، تو یہ فطری اور پیدائشی ہوتے ہیں، مثلاً کمال خلقت، ظاہری حسن و جمال، وفور عقل، فہم وفراست، فصاحت زبان، علونسب، جسمانی طاقت، معاملات میں اعتدال وتوازن، قوت حواس، قومی عزت وشوکت اور وطنی محبت، اسی دنیاوی خصوصیت کے ضمن میں زندگی کے وہ ضروری تقاضے شامل ہیں جو کھانے پینے، سونے جاگنے، کپڑا مکان، شادی بیاہ اور مال وجاہ سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ یہ ضروری لوازم کبھی کبھی اخروی بن جاتے ہیں بشرطیکہ ان امور کو استعمال کرتے ہوئے تقویٰ وللّٰہیت پیش نظر ہو اور آخرت کی راہ پر چلتے ہوئے جسم وجان کی حفاظت مقصود ہو، ضروریات کے حدود کی رعایت شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی میں کی گئی ہو۔

باقی وہ خصوصیات جو کسبی ہیں اور جن کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے تو اس ضمن میں وہ سارے عمدہ اخلاق اور شریعت مطہرہ کے احکام آجاتے ہیں جنہیں مذہب عطا کرتا ہے، مثلاً معاش ومعاد کا علم، حلم وبردباری، صبر وضبط، شکر وامتنان، عدل وانصاف، زہد وورع، تواضع وانکساری، عفو ودرگزر، عفت وپاکدامنی، جود وسخا، شجاعت وبہادری، شرم وحیا، مروت وانسانیت، سکون و اطمینان، تدبر وتفکر، وقار ومتانت، رحم وکرم، حسن معاشرت وراست بازی اور ان سب خصوصیات کے مجموعے کا نام ہے حسن اخلاق''۔(۱۶)

رسول اللہؐ کی کاملیت : کمال و جمال کی جن خصوصیات کا ذکر ابھی اوپر گذرا اگر ہم میں کوئی شخص ان میں سے ایک یا دو خصوصیات کا مالک ہو تو ایسا شخص قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کی شہرت ہو جاتی، اس کی مثالیں دی جاتی ہیں، لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت

کا نقش قائم ہوجاتا ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، صدیوں سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے لیکن آپ کیا کہیں گے اس عظیم انسان کی بابت جس کی شخصیت ان سارے اوصاف اور خصوصیات کا گنجینہ ہے، جس کی شان نرالی ہے، جس کے فضائل بے شمار ہیں، جس کے ظاہری اور باطنی کمالات حد شمار سے باہر ہیں، جو محض کسب، محنت اور تدبیروں سے حاصل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی نوازش کی رہین منت ہیں، چند نوازشات الٰہی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

آپؐ کو نبوت و رسالت، خلت و محبت، اصطفاء و برگزیدگی، اسراء و معراج، رویت جبریل اور آیات الٰہیہ کے دیدار سے نوازا گیا، آپ کو قربت و محبوبیت، وحی و الہام، شفاعت و توسل، فضیلت و بزرگی، رتبۂ عالی و مقام محمود اور براق کی سواری عطا کی، آپ کو ختم رسالت کا خلعت بخشا گیا، آپ کو تمام انبیاء کا امام، بنی نوع انسان کا پیشوا اور حق کا گواہ بنایا گیا، آپ کو حمد باری کا علم دیا گیا، آپ کو بشیر و نذیر، امین و ہادی اور رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا، اللہ نے آپ کو اپنی محبوبیت کا مژدہ سنایا، آپ کو شفیع الامم بنایا، آپ کو کوثر کی دولت عطا کی گئی، آپ پر نعمتوں کی تکمیل ہوئی، آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوئے، سینہ مبارک چاک کیا گیا، آپ سے بوجھ کو ہٹایا گیا، آپ کا آوازہ بلند کیا گیا اور فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی گئی، آپ پر سکینتوں کا نزول ہوا، آپ کی تائید و نصرت کے لیے ملائکہ آئے، آپ کو کتاب حکمت، سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) اور قرآن عظیم ملا، آپ کے نام کی قسم کھائی گئی، آپ کو مستجاب الدعوات بنایا گیا، آپ نے جمادات و حیوانات سے گفتگو کی، آپ کے لیے مردوں کو جلایا گیا، اور بہروں کو سنایا گیا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوگیا، آپ نے چاند کے ٹکڑے فرمائے اور سورج کو آپ کے لیے لوٹایا گیا، رعب و دبدبہ سے آپ کی مدد کی گئی، آپ کو غیب کی خبر دی گئی، آپ کے لیے بادل کے ٹکڑے کو سایہ دار چھتری بنا دیا گیا، درختوں اور پتھروں نے آپ کی تسبیح خوانی کی، امراض و آلام سے آپ کو شفا بخشی گئی، آپؐ کو دشمنوں کی قاتلانہ تدبیروں سے محفوظ رکھا گیا، اور انہی جیسی بے شمار خصوصیات سے آپؐ کی شخصیت کو ایسی درخشانی بخشی گئی، جو احاطہ قرطاس سے باہر ہے، ہاں صرف ان نوازشوں کا ابر نیساں برسانے والا ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے''۔(۱۷)

افضل کون حبیب یا خلیل: حبیب و خلیل کے فرق کی وضاحت ملاحظہ ہو۔ قاضی عیاض

کی نظر میں محبت میں غرض وابستہ ہوتی ہے جبکہ خلت ہر غرض سے بیگانہ ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

''علماء اور اہل دین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کس کی شان زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے، حبیب کی یا خلیل کی؟ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دونوں برابر ہیں، جو حبیب ہوگا وہ یقیناً خلیل ہوگا اور خلیل وہی ہوسکتا ہے جو محبوب ہو، لیکن اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل کا لقب دیا ہے اور حضرت محمد ﷺ کو حبیب بنایا ہے، دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ خلیل کی شان حبیب کی شان سے بلند تر ہے، کیونکہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے لیے خلیل کا لفظ اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور ان کے دونوں فرزندوں حسنؓ و حسینؓ اور حضرت اسامہؓ کے لیے محبت کا لفظ استعمال فرمایا، بعضوں کا خیال اس کے برعکس ہے یعنی حبیب کا مقام خلیل سے بلند تر ہے کہ آنحضرت ﷺ حبیب خدا اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ سید الثقلین کی فضیلت حضرت ابراہیمؑ سے بڑھی ہوئی ہے۔

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ طبیعت کا میلان عاشق کی خواہش و منشا کے موافق ہو، لیکن یہ بات اس شخص کے حق میں صحیح ہوسکتی ہے جس سے طبیعت کے میلانات صادر ہوتے ہوں، توافق اور ہم آہنگی کی وجہ سے انتفاع کی توقع ہو، یہ درجہ مخلوق کے لیے ہے، البتہ خالق کے حق میں یہ بات درست نہ ہوگی، کیونکہ وہ اغراض و خواہشات سے مبرا و منزہ ہے، لہٰذا بندے کے لیے محبت کا یہ مطلب ہوگا کہ اسے سعادت و کامرانی بخشے، اسے گناہوں سے محفوظ رکھے، اسے محبت الٰہی اور طاعت ربانی کی توفیق دے، اس کے لیے قربت کے اسباب مہیا کرائے، اس پر اپنی رحمت و نعمت کی باد باراں نازل کرے، اور آخر میں اس کے دل کے حجابات دور کردے، تاکہ وہ خدا کی نشانیوں کا مشاہدہ کرسکے اور اپنی نگاہ بصیرت سے اس کے جلال و جمال جہاں آرا کا نظارہ کرے، اس وقت اس کا وہی حال ہوگا جس کے لیے حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: جب میں اسے چاہنے لگتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی نگاہ ہوجاتا ہوں جس سے وہ

دیکھتا ہے، اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔

یہ بات اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اپنے شعور واحساس اور اعمال وحرکات کو خواہشات سے پاک کر کے خدا کی راہ پر نہ لگا دے، دل کی ہر دھڑکن اسی کے لیے ہو، جسم و بدن کی ہر حرکت اسی کی عبادت کے لیے وقف ہو، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں فرمایا: آپؐ کے اخلاق سراپا قرآن کا مظہر تھے، خدا کی مرضی پہ راضی بہ رضا رہتے اور خدا کی ناراضگی سے ترساں رہتے تھے۔

اس تفصیل کے بعد دیکھئے تو خلیل کے امتیازی اوصاف اور حبیب کی خصوصیات ہمارے نبیؐ کے اندر موجود تھیں، اس کی دلیل وہ بے شمار صحیح روایات ہیں جو شائع وذائع ہیں اور مقبول عام ہیں، آپؐ کی جلالت شان کی صداقت کے لیے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہی کافی ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ، آپؐ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، خدا تعالی تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

بعض متکلمین نے حبیب اور خلیل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے نہایت لطیف اور خیال آفریں نکتہ رسی دکھائی ہے اور محبوب کی فضیلت خلیل پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لطیف نکتہ سنجی ملاحظہ ہو!

۱۔ خلیل کو بالواسطہ وصال مولی نصیب ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہوجائیں اور کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں (الانعام ۷۵)۔ جبکہ حبیب کو براہ راست اور بلاواسطہ ہی وصال مولی نصیب ہوجاتا ہے، ارشاد فرمایا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۔

۲-خلیل کو اپنی بخشائش کی امید توقع کی حد تک ہوتی ہے فرمایا:
وَالَّذِیٓ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَلِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا (الشعراء:۸۲)۔
جبکہ حبیب کی مغفرت یقین کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے، بلکہ اس کا مژدہ بھی پہلے سے سنادیا جاتا ہے، فرمایا: **لِیَغۡفِرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ** تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

۳-خلیل اپنی رسوائی سے بچنے کے لیے خدا سے دعا مانگتا ہے **وَلَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ** اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اس روز مجھ کو رسوا نہ کرنا (الشعراء۸۷)......جبکہ حبیب کو دست دعا دراز کرنے سے پہلے ہر رسوائی سے بچانے کی نوید سنادی جاتی ہے: **یَوۡمَ لَا یُخۡزِیَ اللّٰہُ النَّبِیّ** جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو رسوا نہ کرے گا۔

۴-خلیل ابتلاء و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، تو خدا کی نصرت و حفاظت پہ بھروسہ کرتا ہے **حَسۡبِیَ اللّٰہُ**۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے خدا کافی ہے (الزمر ۳۸)۔ جبکہ حبیب کو خدا تعالیٰ کی حفاظت و نصرت کا پروانہ بن مانگے مل جاتا ہے **یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ** اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔

۵-خلیل آیندہ نسل میں اپنے ذکر (نام) کو باقی رکھنے کے لیے خدا سے دعا گو ہوتا ہے۔ **اِجۡعَلۡ لِیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ** اور میرا ذکر آیندہ آنے والوں میں جاری رکھ......جبکہ حبیب کو بغیر دعا ہی کہ یہ نوید سنا دی جاتی ہے۔ **وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ** اور ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کیا۔

۶-خلیل اپنے فرزندوں کے حق میں شرک سے بچائے جانے کی دعا مانگتا ہے- **وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ** مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائی، جبکہ حبیب کو یہ طرۂ امتیاز اور فضیلت بغیر دعا ہی کے حاصل ہو جاتا ہے۔ **اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ**

وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح ظاہراً و باطناً پاک صاف رکھے۔ (الاحزاب:۳۳)

یہ عارفین باللہ اور اہل قلوب کی باتیں ہیں جو ان کے آئینہ دل پر جلوہ نما ہوئی ہیں، حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے'' (۱۸)۔

معجزات کی قسمیں: قاضی عیاض معجزات کی بحث میں پہلے ہی یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد نبوت و رسالت کے منکرین اور معجزات رسول پر زبان دراز کرنے والے ملحدین و معاندین کی دشنام طرازیوں کا جواب دینا نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ دین محمد کے پیروکاروں میں اس کے مطالعے سے عشق نبوی کی آگ کو دوآتشہ کیا جائے، انہیں حقوق مصطفیٰ سے آگاہ کر کے ان کے اندر اعمال صالح کے جذبۂ شوق کو پر لگا دیا جائے اور ان کے ایمان میں ہر لمحہ جلا پیدا کی جائے، لکھتے ہیں:

معجزات کی دو قسمیں: معجزات دراصل ان خارق عادت امور کا نام ہے جنہیں اللہ تعالیٰ منکرین کے الزامی جواب کے طور پر حضرات انبیاء کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے اور مخلوق ان جیسے امور پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایک وہ جو انسانوں کے مقدور اور استطاعت میں ہو پھر بھی وہ اس کے پیش کرنے سے عاجز ہوں، لہٰذا ان کی عجز و بے بسی حکمت خداوندی پر موقوف ہوگی اور یہ بات نبوت کی صداقت پر دلیل روشن ہوگی، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہودیوں کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور بعضوں کی رائے کے مطابق فصحائے عرب کا قرآن کی نظیر میں کوئی آیت پیش نہ کر سکنا۔

۲- دوسری قسم وہ ہے جو انسانی مقدور سے باہر کی چیز ہے چنانچہ اس قسم کے معجزات کے مماثل وہ کوئی چیز پیش کر ہی نہ سکتے تھے، مثلاً مردوں کو جلانا (حضرت ابراہیمؑ و حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ) لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کر دینا (حضرت موسیٰؑ کا معجزہ) چٹان سے اونٹنی کا پیدا ہونا (حضرت صالحؑ کا معجزہ) درختوں کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑنا، چاند کا ٹکڑے ہونا (نبی آخر الزماںؐ کا معجزہ) ان معجزات کا صدور خدا کے علاوہ کسی انسانی طاقت سے ممکن نہ تھا، لیکن جب ان کا ظہور انبیاء کے ہاتھوں ہوا جو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا پھر جھٹلانے والوں اور مخالفت کرنے

والوں کو اس کے مماثل پیش کرنے کے لیے مقابلہ وتحدی کی دعوت دی گئی تو ان کا عجز سامنے آگیا۔

رسول مطاع سیدنا محمد ﷺ کے ہاتھوں جو معجزات بطور دلائل نبوت اور صداقت رسالت ظاہر ہوئے وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں سے تعلق رکھتے ہیں، آپ ﷺ کے معجزات تعداد کی کثرت میں بھی اور دلائل کی قوت میں بھی دوسرے انبیاء سے بڑھ کر ظاہر ہوئے، یہ اس کثرت سے ظاہر ہوئے ہیں کہ ان کا احاطہ وشمار اس تصنیف میں مشکل ہے، آپ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن کریم ہے، خود اسی ایک معجزہ کے اعجاز کے پہلوؤں کو ہزار دو ہزار دو ہزار یا کئی ہزار کی تعداد میں منحصر نہیں کر سکتے کیونکہ آپؐ نے اس کی ایک سورہ بلکہ ایک آیت کو مقابلہ میں پیش کیا اور لوگوں نے اس کی نظیر پیش کرنے سے ہار مان لی۔

آپ ﷺ کے معجزات کی صداقت دو طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔

اول : جن کا علم ہمیں قطعیت کے ساتھ حاصل ہوا اور جو ہم تک تواتر کے ساتھ نقل ہوتے آئے ہیں، جیسے قرآن کریم، یہ بات کسی بھی شک وشبہ اور اختلاف سے بالاتر ہے کہ قرآن کریم حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور آپ کے توسط سے لوگوں تک پہنچا، آپ نے اسے حجت اور دلیل کے طور پر پیش فرمایا، اگر کوئی مخالف ومنکر اپنی عداوت وضد کی وجہ سے اس کا انکار کرے تو اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کا انکار۔

دوم : جن کا علم ضرورت وقطعیت کے درجہ تک حاصل نہ ہو سکا، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم ان کی جو مشہور ومعروف ہیں اور جنہیں بیان کرنے والے کثرت سے ہیں جو محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر وسوانح کی نگاہ میں مشہور ومسلم ہیں، مثلاً انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہو جانا، کھانے میں یک بیک اضافہ ہو جانا وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے جسے ایک دو یا چند لوگوں نے نقل کیا ہو، جو پہلی قسم کی طرح مشہور ومعروف تو نہیں مگر ان سے معجزات کا ثبوت ملتا ہے اور خدائے لم یزل کے دست قدرت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

لیکن میں علی الاعلان کہوں گا کہ اس طرح کی بیشتر احادیث قطعیت کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں، جہاں تک چاند کے ٹکڑے فرمانے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل قرآن کی نص قطعی ہے جو

اس کے پیش آنے پر شاہد ہے، اب قرآن کی اس کھلی دلیل کو چھوڑ کر کسی دوسری بات کو ماننے کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے جبکہ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ مختلف طرق سے ایسی احادیث مروی ہیں جو اسی قرآنی دلیل کی تائید کرتی ہیں، لہٰذا دین وشریعت کے تاروپود بکھیرنے والے کسی دشمن کی مخالفت سے ہمارے عزم ومقصد میں فتور نہ آئے گا اور نہ کسی جدت پسند کی ایسی سفاہت قابل التفات سمجھی جائے گی، جو کم مایہ مسلمانوں کے ایمان ویقین میں شک وارتیاب کا بیج بونا چاہتا ہے، بلکہ ہم ہر ایسے انسان کی غلطی کو ظاہر کر کے اس کے دلائل کے بودے پن کو سر عام بیان کریں گے، یہی حال پانی کے چشمے کے رواں ہونے اور تکثیر طعام کا ہے جنہیں ثقہ راویوں کی بڑی تعداد نے بڑی جماعت سے اور بڑی جماعت نے کثیر صحابہ کی جماعت سے نقل کیا ہے، مثلاً خندق کھودنے کے موقع پر حضرت جابرؓ کا واقعہ کھانے کی کثرت سے متعلق، یا انہی سے مروی پانی کے چشمے سے متعلق جنگ بواط کا واقعہ، صلح حدیبیہ کے موقع پر پانی کی کثرت وفروانی کا واقعہ، غزوۂ تبوک میں کھانے کی کثرت کا واقعہ، اور انہی جیسے بے شمار واقعات جو مسلمانوں کی جماعت کثیر اور مجاہدین کے جم غفیر کے درمیان پیش آئیں، ان ساری روایتوں کو بیان کرنے کے بعد ایک شخص کی طرف سے بھی مخالفت نہیں ہوئی، نہ ہی راوی کے مشاہدہ کے بیان میں نکیر کی گئی، معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ان روایتوں کو سن کر خاموش رہ جانا ایسا ہی تھا گویا انہوں نے خود روایت کی ہو کیونکہ ان حضرات کیلئے ناحق بات سن کر خاموش رہ جانا ممکن نہ تھا'' (۱۹)۔

شبہات کا ازالہ: عصمت انبیاء کے اہم مسئلہ پر متعدد شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے **وعصی آدم ربه فغوی** اور استغفار انبیاء پر قاضی صاحب نے فرمایا:

> ''انبیاء علیہم السلام اپنی رفعت وبزرگی، اپنی علو شان، معرفت الٰہی، سنت اللہ کے ادراک اور خدا کی حاکمیت اور قہاریت کے علم وعرفان کے جس مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ رب العزۃ و الجلال کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں وہ لرزہ براندام رہتے ہیں، جن گناہوں کے ارتکاب سے دوسروں کی گرفت نہیں ہوتی، اس کے مقابلہ میں معمولی لغزشوں پر ان حضرات کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ حضرات اپنے تصرفات

زندگی میں مباح امور سے بھی مجتنب اور خائف رہتے ہیں عقاب وعتاب اور اوراپنے مآل کار سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے صادر ہوجانے سے عذاب الٰہی کا اندیشہ محسوس کرتے ہیں۔اس لیے ان مباح امورتک کوتاویل یا سہو ونسیان کے طور پر اختیار کرنے یا دنیاوی معاملات (کے مباحات) میں کثرت اور زیادتی کی خواہش کرنے پر بھی فوراان کو متنبہ کردیا جاتا ہے اوران کے مقام ومنصب کی بلندیوں کودیکھتے ہوئے (ان مباحات کو) گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اوران کے کمال طاعت کے لحاظ سے معصیت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ عام انسانوں کے ذنوب ومعاصی کے مماثل نہیں، کیونکہ ذنب حد درجہ خسیس، رذیل اور حقیر شئی کو کہتے ہیں۔ذنب کل شئی کا مطلب ہر چیز کا آخری حصہ۔اذناب الناس ارذال الناس کو کہتے ہیں، گویا یہ امور جن کو ہم ان کے حق میں ذنوب ومعاصی خیال کر رہے ہیں، ان کے افعال واعمال کے خانوں کے آخری درجہ کے اعمال ہیں، بالفاظ دیگران کی طہارت ونزاہت، ان کی باطنی صفائی وتزکیہ نفس، ان کا تقوی اورخوف خداان کے اعمال صالحہ اوران کے اخلاق فاضلہ، ان کا ذکرلسانی اور ذکر قلبی، ان کی خشیت اور تضرع الی اللہ اور جلوت وخلوت میں اللہ کی عظمت و کبریائی میں استغراق کے لحاظ سے یہ ''لغزشیں'' کم تر درجے کے اعمال ہیں''۔

کتاب پر مختصر تبصرہ: مصنف اپنی تصنیف کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں ہماری گزارشات پوری ہوتی ہیں، جوعزم ومقصد لے کر ہم چلے تھے وہ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے، جن شرائط اورخطوط پر چلنے کا ہم نے وعدہ کیا تھا اسی روش پر گامزن رہے ہیں، مجھے توقع ہے کہ کتاب کے ہر حصہ میں طالبان علم کے لیے تشنگی کا سامان اوراس کے ہر باب میں رہ روان عشق کے لیے جادہ و منزل کا پتہ ہے۔

ہم نے اس کتاب میں ایسے پہلو پیش کیے ہیں جن کی مثالیں گزشتہ تصانیف میں نہیں ملتیں، ہم نے تحقیق وجستجو کے ایسے آب زلال سے سیرابی کی

کوشش کی ہے، جہاں تک کسی کا گزر نہیں ہوسکا، میری خواہش تھی کہ اگر اس موضوع پر مجھ سے پہلے کوئی اپنے اشہب قلم کے جوہر کو دکھا چکا ہوتا یا نوک قلم یا موئے زبان سے میری تشنگی علم مٹاتا تو میں دوسروں کو سیراب کرنے کے بجائے خود اس کے دریائے علم میں شناوری کرتا''۔(۲۱)

مصنف نے مقدمہ میں بھی اس طرح کی باتیں کہیں ہیں کہ تصنیف ایسے امور کی متقاضی ہے کہ ہر بات اصول کی روشنی میں کہی جائے اور حقائق علمیہ کے سمندر میں غواصی کی جائے، مگر مصنف کے اپنے اس دعوے کے باوجود روایت اور درایت میں وہ ان اصولوں کی پاسداری نہیں کرسکے، جن کی ایک بلند پایہ محدث اور انتیس جلدوں میں جامع مسلم کے شارح (اکمال العلم فی شرح مسلم) سے توقع تھی کہ سیرت کے معیاری فن کے اصولوں کی رعایت ملحوظ رکھیں گے، جس کی مثال ہمیں علامہ شبلی کی ''سیرت النبیؐ'' اور حسین ہیکل کی ''حیات محمدؐ'' میں نظر آتی ہے، نقد روایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں اور جن کی رعایت یقیناً حدیث کے باب میں مصنف نے بھی ملحوظ رکھی ہوگی، اپنی سیرت شفا میں وہ ایسا نہ کرسکے، ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سیرت رسول کا مستند تر مواد قرآن کے بعد حدیث ہی ہے، اگرچہ حدیث کی روایت سیرت کی روایتوں سے بلندتر ہے، مگر سیرت کا معیاری فن اس باب میں انہی اصولوں کی رعایت کا تقاضا کرتا ہے جو حدیث کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

مصنف نے یقیناً اولین ماخذ کے طور پر جابجا قرآن کریم سے ثبوت وشواہد پیش کرنے کا التزام کیا ہے، مگر تفسیر کے معاملے میں ضعیف تفسیری اقوال کثرت کے ساتھ نقل کرتے چلے گئے ہیں اور مشہور اور راجح اقوال کو نظرانداز کرکے مرجوح اور مجروح اقوال بلاکسی محاکمہ کے ذکر کردئے ہیں، شاذ قراتوں کی اساس پر تفسیری نکات بھی خوب بیان کئے ہیں، مصنف ہر باب اور فصل میں کثرت کے ساتھ احادیث نقل کرتے ہیں، مگر صحیح اور قوی احادیث کے ساتھ ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی نقل کرنے سے نہیں ہچکچاتے اگرچہ ان ضعیف روایتوں کی حیثیت شواہد کی ہوتی ہے، چنانچہ مولانا ضیاءالدین اصلاحی رقم طراز ہیں:

''انہوں نے بعض جگہ ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں مگر ان کی تائید وتوثیق

کے لیے صحیح اور مشہور حدیثیں بھی نقل کردی ہیں اس طرح ضعیف حدیثوں کی حیثیت محدثین کے اصول کے مطابق شواہد ومتابعات کی ہوگئی ہے''۔(۲۲)

تکرار کے بوجھ اور طول بیانی کی گرانی سے بھی کتاب خالی نہیں ہے، بلکہ کشف الظنون کے مصنف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

''یہ کتاب رطب ویابس کا مجموعہ ہے جس میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ہے''۔(۲۳)

کتاب کے بعض مسامحات کو نظر انداز کردیا جائے تو یہ ایک مایہ ناز، ایمان افروز، روح پرور اور کامیاب تصنیف کا نمونہ ہے، درحقیقت یہ ایک ایسا علمی خزانہ اور خوبصورت کشکول ہے جس میں قرآنی آیات، احادیث رسول، فقہی مسائل، کلامی بحثیں، آثار صحابہ، اقوال علماء اور روایات و واقعات، زبان وقواعد اور شعر وادب کا ذوق سب کچھ موجود ہے۔

حواشی:

(۱) ازہار الریاض، ۳/۱۰۷، ماخوذ از مقدمۂ شفا، ۱/۱۳۔ (۲) مقدمۂ شفا، ۱/۹۔ (۳) ایضا، ۱/۱۰۔ (۴) ایضا، ۱/۱۱۔ (۵) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کشف الظنون، ۱/۴۹۹۔ (۶) مقدمۂ کتاب، ۱/۳-۴۔ (۷) ایضا، ۱/۴۔ (۸) ایضا، ۱/۵۔ (۹) ایضا، ۱/۵۔ (۱۰) روضات الجنات، ص ۵۱۶، بحوالہ کاروان ادب، جنوری-مارچ ۱۹۹۵ء، ص ۸۳۔ (۱۱) خطبات مدراس، ص ۹۴۔ (۱۲) ایضا، ص ۱۰۶۔ (۱۳) ملاحظہ ہو کشف الظنون، ۱/۴۹۹-۵۰۰، نیز مقدمۂ الشفاء، ۱/۶۔ (۱۴) سنن ترمذی، ۵/۲۹، سنن ابی داؤد، ۲/۸۲۔ (۱۵) مقدمۂ الشفا از مؤلف، ۱/۴-۸۔ (۱۶) الشفا، ۱/۷۷-۷۸۔ (۱۷) ایضا، ۱/۷۹-۸۱۔ (۱۸) ایضا، ۱/۲۸۴-۲۸۷۔ (۱۹) ایضا، ۱/۳۴۹-۳۵۵۔ (۲۰) ایضا، ۲/۸۴۰۔ (۲۱) ایضا، ۲/۱۱۱۵۔ (۲۲) سہ ماہی رسالہ کاروان ادب، جنوری-مارچ ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۱۔ (۲۳) کشف الظنون، ۱/۴۹۹۔

قدرت اللہ بلیغ: احوال و آثار

ڈاکٹر عارف نوشاہی

راقم السطور کو مئی ۲۰۰۶ء میں اپنے دوست، ڈاکٹر تحسین فراقی (ریٹائرڈ پروفیسر شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کے پاس قدرت اللہ بلیغ کے فارسی کلیات کا ایک ضخیم نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اگرچہ عکسی تھا لیکن بقول پروفیسر فراقی، اس کا اصل قلمی نسخہ بھی ان ہی کی تحویل میں ہے جو لاہور کے معروف کتاب دوست، اردو کلاسیک متون کے محقق و مدون، خلیل الرحمان داودی (وفات: ۲۰۰۲ء) نے انہیں دیا تھا۔ میں نے اس عکسی نسخے سے ایک مختصر یادداشت اسی وقت تیار کر لی تھی جو بلیغ کے سلسلے میں مزید تحقیق و تلاش کے بعد اب قدرے شرح و بسط کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

بارہویں صدی ہجری کے ایک ہندوستانی فارسی و اردو گو شاعر، نقاد زبان اور صوفی، قدرت اللہ بلیغ کے حالات بہت کم دستیاب ہیں۔ تذکرہ نویسوں کے ہاں اور خود بلیغ کی اپنی تحریروں سے جو معلومات اخذ ہوتی ہیں وہ اتنی بھی نہیں ہیں کہ ان کی زندگی کے خاکے میں رنگ بھرا جا سکے۔ تذکرہ نویسوں کے بیان کردہ حالات، ان ہی کے الفاظ میں اس طرح ہیں:

یوسف علی خان، تذکرہ (زمانۂ تصنیف ۸۴-۱۱۸۰ھ/ ۷۰-۱۷۶۷ء در مرشد آباد بنگال)

"بلیغ، مولوی حاجی قدرت اللہ، از اولد ھن، در دواب، فارسی و اردو گو شاعر"۔(۱)

قدرت اللہ شوق، طبقات الشعراء (زمانۂ تالیف ۸۹-۱۱۸۸ھ/ ۷۵-۱۷۷۴ء)

قدرت اللہ بلیغ، متوطن قصبۂ الدن، سابق "غم"، تخلص می کرد، حالا "بلیغ"	بلیغ، قدرت اللہ، وطن قصبہ الدن، پہلے غم تخلص کرتا تھا، اب "بلیغ" اختیار کیا ہے۔

پروفیسر و صدر شعبۂ فارسی، گورڈن کالج، راول پنڈی۔

اختیار نمود، جوان قابل،خوش تقریر، ہر چند گردش فلکی با او مساعد نیست ، فاما چنان صاحب غیرت است کہ تا حال پیش کسی سر التجا فرو دنیاوردہ،صاحب دیوان فارسی گاہی یک دو غزل ریختہ ہم بہ تقریبی موزون می کند، باین راقم الحروف بہ نسبت ہمنامی ،اتحاد تمام دارد۔ چند سال شد کہ بہ طرف کعبۃ اللہ رفتہ بود۔شنیدہ می شود کہ الحال بہ طرف نواح دکن استقامت دارد....۔(۲)

قابل ،خوش تقریر جوان ہے۔ ہر چند گردش فلک نے اس کا ساتھ نہیں دیا لیکن وہ ایسا غیرت مند ہے کہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ۔ فارسی میں صاحب دیوان ہے ۔گاہے ایک دو غزل ریختہ میں بھی کہہ لیتا ہے ۔ راقم (قدرت اللہ شوق) سے ہمنامی کی وجہ سے دوستی رکھتا ہے۔ چند سال ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف گیا۔ سنا ہے کہ اب دکن میں رہتا ہے۔

تمنا، اسداللہ خان، گل عجائب (زمانۂ تالیف ۱۱۹۲ھ/ ۱۷۷۸ء)

''احوال معلوم نہیں''۔لیکن تمنا نے میر بہاءالدین حسین خان عروج اورنگ آبادی (ولادت قبل از ۱۱۷۰یا صفر ۱۱۷۵ھ-وفات ۱۲۳۰ھ) کے حالات میں لکھا ہے:

اصلاح شعر ریختہ ، اول از میر مہربان گرفتہ، بعد ازان کہ حضرت مولوی صاحب بلیغ دام قدرہٗ تشریف آوردند، چند کتب فن شعر بہ عالی خدمت گذرانیدہ و مشق سخن فارسی و ریختہ ہر دو از آن جناب می کرد ۔ بیعت بہ جناب مولوی صاحب (قدرت اللہ بلیغ) کردہ و نشۂ فراوان از خمخانۂ معنی بہ دماغ و دل رساندہ۔(۳)

ریختہ میں اصلاح پہلے میر مہربان سے لی۔ پھر جب حضرت مولوی صاحب بلیغ دام قدرہ تشریف لائے تو فن شعر میں چند کتب ان کی خدمت عالی میں پڑھیں۔فارسی اور ریختہ میں مشق سخن آنجناب ہی سے کرتے رہے ۔ مولوی صاحب سے بیعت بھی کر کے خم خانۂ معنی سے دل و دماغ کو بہت نشہ پہنچایا۔

عبدالجبار صوفی ملکاپوری نے بھی عروج کے بارے میں لکھا ہے کہ علم عروض وقوافی کی کتابیں بلیغ سے پڑھی تھیں۔(۴)

مصحفی، غلام ہمدانی، عقد ثریا (تالیف ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء)

بلیغ کہ حاجی قدرت اللہ نام دارد، قوم شیخ، متوطن پرگنہ میرتھ، از اولاد مخدوم فخر الدین زاہد (کذا: در تذکرہ ھای دیگر ''زاید'' ونسخہ بدل عقد ثریا: مخدوم محی الدین زاہد/ مخدوم محی الدین فخر الدین زاہد) صاحب استعداد بلیغ است ۔ در علم نحو مستعد و صوفی مذاق ۔ ساقی نامہ (ای) در جواب ''ساقی نامۂ'' ظہوری گفتہ و شش دیوان غزل تصنیف کردہ۔ از وست شعر ساقی نامہ:

بہ زنار بندان نظارہ ای
بہ آتش پرستان رخسارہ ای
پس ازین چہ تفکر شام و سحر بہ توکل اگر تو قدم زدہ ای
نہ کنی حرکت ز مقام غنا ، در عالی فیض اعم زدہ ای (۵)

بلیغ جن کا نام قدرت اللہ ہے، قوم شیخ، متوطن پرگنہ میرٹھ، مخدوم فخر الدین زاہد (کذا) کی اولاد سے ہیں ۔ بہت استعداد کے مالک ہیں۔ علم نحو میں چست اور صوفی مشرب ہیں۔ ظہوری کے جواب میں ایک ساقی نامہ بھی لکھا۔ غزلوں کے چھ دیوان تصنیف کیے ۔ یہ شعر ساقی نامہ سے ہے......۔

سرور، اعظم الدولہ، عمدۂ منتخبہ (زمانۂ تالیف ۲۴-۱۲۱۶ھ/ ۱۸۰۹-۱۸۰۱ء)

''بلیغ، حاجی قدرت اللہ، حضرت فخر الدین زاید کی اولاد میں ہے۔ قصبہ سراوہ متعلقہ اولدن وطن ہے۔ صوفی مشرب، علوم متداولہ میں ماہر، زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہے۔ فارسی میں ضخیم دیوان ہے۔ ہندی میں قصیدہ نظر سے گذرا ہے''۔ (۶)

ناصر، سعادت خان، تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا (زمانۂ تالیف ۸۸-۱۲۶۳ھ/ ۷۱-۱۸۴۷ء)

''خوش دستگاہ، بلیغ تخلص، نام قدرت اللہ''۔ (۷)

ذکا۔

''مولوی حاجی قدرت اللہ بلیغ، ساکن اولدہن، جو دوآبہ میں ہے۔ فارسی اور اردو کے بڑے خوش گو شاعر تھے''۔ (۸)

سری رام (۱۸۷۵-۱۹۳۶ء)، خم خانۂ جاوید

''بلیغ، منشی قدرت اللہ بلیغ، متوطن قصبۂ الدن، پہلے ''غم'' تخلص کیا کرتے تھے۔ زمانے کے ہاتھوں کبھی چین نہ پایا۔ آخر حج کو چلے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر دکن چلے گئے اور وہاں سلسلۂ معاش پیدا کیا۔ تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ جوان قابل اور خوش وضع تھے......''۔ (۹)

عبدالرسول خیام پور (۱۲۵مرداد ۱۲۷۷-۱۲ فروردین ۱۳۵۸شمسی)، فرہنگ سخنوران:

''بلیغ پرگنہ پی، حاجی قدرت اللہ، صاحب ''ساقی نامہ'' در جواب ساقی نامۂ ظہوری، (قرن) دوازدہم؛ آزاد (۴) ۱۴''۔ (۱۰)

مذکورہ بالا قدیم و جدید تذکروں کی روشنی میں بلیغ کے اصلی وطن کے نام اور اس کے املاء کے بارے میں اختلاف سامنے آیا ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں بلیغ کا وطن ''قصبۂ سراوہ متعلقہ اولدن''، طبقات الشعراء میں ''قصبۂ الدن''، عقد ثریا میں ''پرگنۂ میرٹھ''، اور ذکا کے ہاں اولدھن آیا ہے۔ میرے خیال میں عمدۂ منتخبہ کا بیان دقیق تر ہے۔ بقیہ تذکرہ نویسوں نے ''سراوہ'' کو ایک چھوٹا اور غیر معروف مقام جان کر نظر انداز کر دیا اور اس کے قریب جو قدرے معروف اور بڑا مقام یعنی الدن / اولدن / اولدھن ہے، اس کا نام لیا ہے۔ چونکہ خود الدن ضلع میرٹھ، صوبہ اتر پردیش میں واقع ہے تو میرٹھ کا نام بھی بلیغ کے وطن کے طور پر آ گیا۔ عبدالرسول خیام پور نے فرہنگ سخنوران میں عقد ثریا کی عبارت کو ٹھیک نہیں سمجھا اور ''پرگنہ'' کو بلیغ کا وطن بنا دیا!

بلیغ کے کلیات سے ان کے ذاتی حالات کے سلسلے میں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ اس طرح ہیں:

وہ حضرت فخر الدین زاید (یا مخدوم محی الدین زاید) کی اولاد سے تھے. ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معلوم نہیں ہیں۔ لیکن ان کی دستیاب تصانیف سے ان کا زمانۂ حیات متعین ہو جاتا ہے جو ۱۱۶۶-۱۲۰۲ھ کے مابین ہے۔ وہ ۱۱۸۲ھ میں سفر حج پر گئے۔ ''سعی بلیغ'' مادۂ تاریخ سفر ہے۔ انھوں نے مدینہ کے سفر کی روداد اپنی کتاب ریاض القدسیہ میں درج کی ہے۔

بلیغ علم نحو، عروض و قوافی اور دیگر علوم متداولہ بہت اچھی طرح جانتے تھے اور

شاگردوں کی تربیت بھی کرتے تھے ۔ میر بہاء الدین حسین خان عروج اورنگ آبادی (ولادت قبل از ۱۱۷۰ یا صفر ۱۱۷۵ھ- وفات ۱۲۳۰ھ) مؤلف تذکرۂ خزان و بہار (قلمی نسخہ کتاب خانۂ نظامیہ، حیدرآباد دکن) ان کے شاگردوں اور مریدوں میں سے تھے، جیسا کہ اسد اللہ خان تمنا نے تذکرۂ گل عجائب (سال تالیف ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء) میں لکھا ہے:

> ''اصلاح شعر ریختہ، اول از میر مہربان گرفتہ ، بعد از آن کہ حضرت مولوی صاحب بلیغ دام قدرۂ تشریف آوردند، چند کتب فن شعر بہ عالی خدمت گذرانیدہ و مشق سخن فارسی و ریختہ ہر دو از آن جناب می کرد۔ بیعت بہ جناب مولوی صاحب (قدرت اللہ بلیغ) کردہ و نشۂ فراوان از خمخانۂ معنی بہ دماغ و دل رسانده''۔ (۱۱)

بلیغ صوفی مشرب تھے اور سلسلۂ قادریۂ شریفیۂ امامیۂ حسنیہ'' میں میر عبدالرشید کے مرید تھے۔ بلیغ نے **رسالہ قولا بلیغا** میں اپنا منظوم شجرۂ طریقت لکھا ہے اور اسے شیخ عبدالقادر گیلانی (م:۵۶۱ھ) تک پہنچایا ہے۔ صعودی ترتیب سے یہ اسماء اس طرح ہیں:

(قدرت اللہ بلیغ) میر عبدالرشید، عبدالرؤف، ابوالمعانی، عبدالرزاق، سید محمد قادری، سید درویش، عبد الرحیم، عبدالفتاح، عبد الوھاب، عبد الرحمان، شاہ عبداللطیف، عبدالحی، عبدالجلیل، ابوالقاسم، عبدالرزاق، شیخ محیی الدین عبدالقادر گیلانی۔

بلیغ نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ دکن میں گزارا تھا۔ (۱۲) انھوں نے حیدرآباد، میلا پور و دیگر بلاد دکن کی سیر اور سید تجلی شاہ و اعتقاد الدولہ شمشیر جنگ وفادار خان، جو امراے دکن سے تھے، سے ملاقات کی روداد اپنی کتاب ریاض القدسیہ میں لکھی ہے۔ اسی کتاب میں انھوں نے امراے دکن اور دیگر دوستوں، من جملہ سید غلام حیدر خان، میر افتخار علی، میر محتشم علی، سید تہور علی خان، سید اکبر علی خان کے نام اپنے خطوط بھی درج کیے ہیں۔ انھوں نے تیمور شاہ درانی (۱۱۸۷-۱۲۰۷ھ/۱۷۷۳-۱۷۹۳م) کو بھی خط لکھا تھا جو اس میں درج ہے۔ بلیغ بلگرام میں بھی رہے اور وہاں اپنے دوست سید حیدر علی کی خاطر اپنے آٹھ دواوین کا ایک انتخاب تیار کیا۔

بلیغ فارسی و اردو کے شاعر تھے۔ اٹھارہویں صدی میں ہندوستان میں ان دو زبانوں

میں بیک وقت شاعری کی روایت عام ملتی ہے۔ بلیغ کے آٹھ فارسی اور ایک اردو دیوان ہے۔ چند رسالے فارسی و عربی نثر میں بھی ہیں۔ بلیغ نے اپنے آٹھوں فارسی دواوین کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور ہر نام تاریخی ہے، تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ اسرار قدرت/۱۱۶۶ھ ۲۔ تلوین الخیال/ ۱۱۶۸ھ

۳۔ مراتب تعینہ/۱۱۷۸ھ ۴۔ مکالمۂ بلیغ/۱۱۷۸ھ

۵۔ اظہار سوز/۱۱۸۰ھ ۶۔ خیر الاسفار/۱۱۸۳ھ

۷۔ مشرقستان جلا/ ۱۱۸۵ھ ۸۔ تلون قدرت/۱۱۹۰ھ

اس کے بعد بلیغ نے اپنے آٹھوں دواوین کو یکجا ردیف وار مدغم کر کے کلیات مرتب کیا اور ہر غزل کے اوپر اس کے مادر دیوان کا حوالہ دیا۔

بلیغ نے اپنے آٹھوں دواوین کا جو انتخاب تیار کیا تھا اس کا نام منتخب الدواوین رکھا۔ اس انتخاب پر بلیغ نے الگ سے دیباچہ لکھا جس میں ان کی کچھ دیگر تصانیف کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ حسب عادت انہوں نے اپنی ہر تصنیف کا نام تاریخی رکھا ہے، جیسے:

۱۔ مکالمۂ خیالات (۱۱۷۸ھ)، مثنوی ہے۔ ۲۔ مظہر جاویدی (۱۱۷۹ھ)، مثنوی ہے۔ ۳۔ قولاً بلیغا (۱۱۸۰ھ)، تین اوراد کا مجموعہ ہے۔ ۴۔ دلائل ظاہرہ (۱۱۸۱ھ)۔ ۵۔ مظہر اول (۱۱۸۲ھ)، عربی میں روح کے بارے میں رسالہ ہے۔ ۶۔ حرز صاحب التلاوت (۱۱۸۴ھ)، قاری کو کلام اللہ شریف کے تلاوت کے دوران الفاظ کی غلط قرائت سے جو کلمات کفر واقع ہو سکتے ہیں، ان کے بارے میں ہے۔ ۷۔ مرآت الکیفیات (۱۱۹۳ھ)، رنگوں اور کیفیتوں کے بارے میں ہے۔ ۸۔ دافع مرض (۱۱۹۵ھ)، اردو قصیدہ جو مصنف نے آشوب چشم کی حالت میں جناب ولایت مآب حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اب کلیات بلیغ کے اس نسخہ کے مندرجات کا تعارف لکھتا ہوں جو میں نے ڈاکٹر فراقی کے پاس دیکھا ہے۔

۱۔ خطبۂ دیوان ''اسرار قدرت''۔

آغاز (خطبہ): الٰہی تو آنی کہ انسان را مظہر اتم خود کردی۔

آغاز (دیوان):

ای غنچهٔ اسرار به حمد تو دہان ہا موج چمن جلوه به ذکر تو زبان ہا

۲۔خطبۂ دیوان ''تلوین الخیال''۔

آغاز: الحمد لاول الاول وعلت العال ...... اما بعد، این نسخه ای است که به ساحل دریای شور۔

۳۔خطبۂ دیوان ''خیرالاسفار''۔

آغاز:

ابتدا می کنم از نام کسی که دل از قافلهٔ او جرسی

۴۔خطبۂ دیوان ''مراتب تعیّنہ''۔

آغاز: حمد مالک الملکی که صنوبرستان اقلیم جنوب را به سیر آن رعنا قامت دکن رونق سرسبزی بخشید۔

۵۔خطبۂ دیوان ''تلون قدرت''۔

یہ مصنف کی غزلیات کا دیوان ہے اور اسے چھٹا دیوان قرار دیا گیا ہے۔

آغاز:

به نام آن که گل در صحن باغ است به صحرا لاله در محفل چراغ است

۶۔خطبۂ دیوان ''مکالمۂ بلیغ''۔

آغاز: حمد سلطان السلاطین که ترتیب بلدهٔ خجسته بنیاد که دماغش می خوانند۔

۷۔خطبۂ دیوان ''اظہار سوز''۔

آغاز:

الحمد لمن كان نازلاً عن التنزيه والصلوة على من كان وارد فى التشبيه

......که درایامی که قاسم ازل تقسیم آب ونمک۔

۸۔خطبۂ دیوان ''مشرقستان جلا''۔

دیوان رباعیات ہے۔

آغاز: حمد مربع بند کتب اربعہ کہ نسخۂ رابعش سید المسلمین است۔

بلیغ کے کلیات کا یہ نسخہ ان کے آٹھ دواوین کی مدغم اور مردف صورت میں ہے اور ہر غزل پر لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے کس دیوان سے لی ہے۔ یہ منتخب الدواوین، غزلیات، نعتیہ قصاید، مخمس، قصیدہ در شان حضرت غوث الاعظم عبدالقادر گیلانیؒ، رباعیات اور مثنویات پر مشتمل ہے۔ نثری رسالوں کی تفصیل یہ ہے:

۹۔ ریاض القدسیہ (۱۱۸۹ھ)

اس کتاب میں ہر مضمون کا عنوان ''روضہ'' ہے۔ مثلاً: روضۂ حمد، روضۂ مناجات، روضۂ نعت، روضۂ صفا، روضہ در تقلید و تحقیق، روضۂ غیر منقوط، روضۂ احوال شاہ محمد یوسف نور اللہ مرقدہ، جو فقرائے اہل طریقت سے تھے۔ ایک ''روضہ'' میں مصنف نے حیدرآباد کی سیر کی روداد اور سید تجلی شاہ سے ملاقات کی تفصیل درج کی ہے۔ ایک روضہ میں دکن کے ایک امیر اعتقاد الدولہ شمشیر جنگ وفادار خان سے ملاقات اور سفر مدینہ و سیر دکن و میلا پور کی تفصیل درج ہے۔ اسی کتاب میں مصنف کے خطوط حسب ذیل افراد کے نام درج ہوئے ہیں: سید غلام حیدر خان (طبقۂ امرا سے تھے)، میر افتخار علی (مصنف کے احباب میں سے تھے)، میر محتشم علی (دکن کے امرا سے تھے)، سید تہور علی خان (طبقۂ امراء میں سے تھے)، امیر تیمور سلمہ اللہ تعالیٰ (یقیناً تیمور شاہ درانی پادشاہ افغانستان)، سید اکبر علی خان؛ خطبۂ دیوان ''منتخب الدواوین''؛ خطبۂ دیوان ''سفینۃ الشعرا'' (۱۲۰۲ھ) تالیف محمد شجاع الدین خان، روضۂ قطعات تاریخ۔

ریاض قدسیہ میں بلیغ نے اپنے چند دیگر رسایل کے متون بھی شامل کردیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۰۔ دلایل ظاہرہ (۱۱۸۶ھ)۔

یہ رسالہ محاورۂ زبان کی درستی اور راستی پر ہے۔ بلیغ نے ایرانی محاورے کے مقابلے میں، ہندوستان میں رائج فارسی زبان کے محاورے کی حمایت کی ہے۔ یہ اسی لفظی جنگ کی صدائے بازگشت ہے جو بلیغ سے آدھی صدی پہلے ہندوستان میں سراج الدین علی خان آرزو و شیخ محمد علی حزین لاہیجی کے درمیان محاورۂ زبان کے مسئلہ پر تھی۔ اس بارے میں بلیغ کی رائے بہت اہم ہے:

اکثری از ابنای روزگار کہ از فضولان ایران اند، لاف سخنوری و حصر محاورہ و احاطۂ علم روزمرہ در مجلس بہ زبان دارند و دعوی معنی پروری و سخن سنجی و نکتہ یابی و زبان دانی در تالیفات خود می نگارند و خطبہ از روی محاورات صفا ہان بہ کلام اساتذۂ اہل لسان و اہل ہندوستان ، کہ از فرقۂ اعجاز بیانان اند، بہ ثبوت می رسانند و ریشۂ مطاعن در زمین اشعار ارباب کمال بہ وضع خلاف زبانی می دوانند...... وبعضی کاسہ لیسان ہند نیز از گرمی صحبت ایشان یا بہ مقتضای استعداد ناقص آتشی در مزاج خود بر افروختہ، از روی اعتقاد فاسد در سراغ آن ہا می تازند۔

ہمارے زمانے کے کچھ فضول ایرانی لوگ، جو سخن وری، محاورے پر عبور اور روزمرہ مجلسی علم پر احاطے کی ڈینگیں مارتے ہیں اور اپنی تالیفات میں معنی پروری، سخن سنجی، نکتہ یابی اور زبان دانی کا دعوی کرتے ہیں اور اصفہانی محاورات کی رو سے اہل زبان اور کچھ ہندوستانی معجز بیان اساتذہ کے کلام سے ثبوت فراہم کرتے ہیں اور ارباب کمال کے اشعار پر زبان کی خلاف ورزی کا طعنہ مارتے ہیں ...... ہند کے بعض کاسہ لیس بھی، انھی کی صحبت کی گرمی کے اثر سے، یا اپنی ناقص قابلیت کی وجہ سے اپنے مزاج میں آگ لگا کر اور فاسد اعتقاد کی رو سے ان (ارباب کمال) کا تعاقب کرتے ہیں۔

بلیغ نے اہل ہند کی قدرت کلام کی تعریف کی ہے اور خاص طور پر قدما سے امیر خسرو، میر ناصر علی سرہندی، میر محمد زمان راسخ اور میرزا بیدل اور معاصرین سے میرزا محمد یار بیگ ''یار'' و میر بہاء الدین حسین ''عروج'' کا نام لیا ہے۔ بلیغ نے ہندوستان اور ایران کے اکابر شعرا کے محاورے کو ترازوے تنقید پر رکھا ہے۔ میرزا جلال اسیر اصفہانی کے بارے میں یہ راے دی ہے:

کلیاتش تا ہشتاد ہزار بیت بہ نظر رسیدہ۔ فقیر حرفاً حرفاً (و) لفظاً لفظاً بہ توجہ تام دیدہ۔ فکر بلند است وطرز دل پسند۔ سر بہ خیال دارد ، بنا برین مضمون عالی می نگارد۔ فلک مطابق ارادہ اش گردش می

اسیر کا کلیات جو اسّی ہزار اشعار پر مشتمل ہے، میں نے دیکھا ہے اور حرفاً حرفاً (اور) لفظاً لفظاً پوری توجہ سے دیکھا ہے۔ اسیر کے افکار بلند اور طرز دل پسند ہے۔ صاحبِ خیال ہے، اسی وجہ سے بہت عمدہ مضمون پیش کرتا ہے۔ آسمان

خوردوتمام عمر بہ جمعیت تام و بہ حسب ارادۂ	اس کے ارادے کے مطابق گردش کرتا ہے۔
دل بہ سر برد ۔ رونق افزای ہندوستان	اس نے ساری زندگی جمعیت خاطر اور اپنے
نگردیدہ ، مزاجش از سیرستان اصفہان	دل کے ارادے سے بسر کی۔ وہ ہندوستان
سرنپیچیدہ ۔ محقق جوہر سخندانی است و مدقق	کبھی نہیں آیا۔ اس کا دل اصفہان کی سیر سے
رموز معانی۔	ہی نہیں بھرا۔ وہ سخن دانی کے جوہر کا محقق اور
	رموز معانی کا مدقق ہے۔

دلایل ظاہرہ، ادب کی تنقید اور محاورۂ زبان پر بہت اہم رسالہ ہے۔

آغاز: حمد علیمی کہ در یک لفظ ''کن'' معانی تصانیف مضمر داشتن شان علم قدرت بیان اوست۔

۱۱۔ مرآت الکیفیات (۱۱۹۳ھ)۔

رنگوں اور کیفیتوں کے بارے میں دوورقی رسالہ ہے۔

آغاز: الحمد لصاحب الحسن المطلق ......امابعد برار باب بصیرت واصحاب بصارت کہ۔

۱۲۔ حرز صاحب التلاوت (۱۱۸۳ھ)۔

آغاز: حمد لطیفی کہ بہ کمال الطاف عمیم آفتاب ہدایت بہ گم گشتگان۔

۱۳۔ مظہر اول (۱۱۷۷ھ)۔

آغاز: بعد حمد وثنای جناب کبریا ونعت سلطان الانبیاء۔

۱۴۔ قولا بلیغا (۱۱۸۰ھ)۔

عربی رسالہ ہے۔ اس میں دیگر مضامین کے علاوہ، خطبات جمعہ، ''شجرۂ سلسلۂ قادریہ شریفیہ امامیہ حسنیہ'' (منظوم) دیا ہے مصنف خود اس سلسلہ سے وابستہ تھے جیسا کہ ابتدا میں ہم لکھ چکے ہیں۔

۱۵۔ دیوان ہندی (اردو)۔

نمونۂ کلام:

بس کہ ہر لفظم بہ نظمم انتخاب است ای ''بلیغ''　　سطر ہا چون رشتۂ تسبیح وقف نقطہ ہا ست

غزل:

کعبہ و بت خانہ سنگی بیش نیست کفر و دین آیینہ رنگی بیش نیست
عیب صافی مشربان باشد ہنر جوہر آئینۂ زنگی بیش نیست
ہمتم خواہد کہ سازد با دراز قصر امکان جای تنگی بیش نیست
اہل باطن با قوافل ساختند علم ظاہر بانگ زنگی بیش نیست
در تعین کفر باشد ای "بلیغ" حسن او نقش فرنگی بیش نیست

اشپرنگر نے شاہان اودھ کے کتب خانے میں عربی، فارسی اور ہندوستانی مخطوطات کی فہرست میں بلیغ کے حسب ذیل تین رسائل کے نسخوں کی نشان دہی کی ہے (۱۳)۔ دلایل ظاہرہ (۴۹صفحہ)، تلون قدرت (تقریباً ۲۰۰صفحہ)، مکالمۂ بلیغ (۱۶۰صفحہ)۔

بلیغ کے ایک دیوان، خیر الاسفار، جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، کا قلمی نسخہ، کتب خانۂ حمیدیہ، بھوپال (نمبر۱۲۳) میں ہے۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور اس کے ابتدائی دو شعر اس طرح ہیں:

ابتدا می کنم از نامہ کسی کہ دل از قافلۂ او جرسی
نسخۂ مختصری از افکار نام و تاریخ بخیر الاسفار (۱۴)

حواشی

(۱) A,Sprenger,Catalogue of the Arabic ,Persian and Hindustany Manuscripts of the libraries of the King of Owdh, Calcutta, 1854,Vol.1,p.211.

(۲) طبقات الشعرا، مرتبہ نثار احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۳۶۹۔ (۳) گل عجائب، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۶ء، ص ۹۸۔ (۴) محبوب الزمن تذکرۂ شعرای دکن، مطبع رحمانی، حیدرآباد، ۱۳۲۹ھ، حصہ دوم، ص ۸۳۷۔ (۵) عقد ثریا، مرتبہ شہاب الدین ثاقب، علی گڑھ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵۰۔ (۶) عمدۂ منتخبہ، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۲-۱۵۳۔ (۷) خوش معرکۂ زیبا، مرتبہ مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، جلد۲، ص ۳۲۳۔ (۸) اشپرینگر، حوالہ مذکور، جلد۱، ص ۱۷۱۔ (۹) خم خانۂ جاوید، مخزن پریس، دہلی، ۱۳۲۵ھ، ج۱، ص ۷۰۹۔ (۱۰) فرہنگ سخنوران،

انتشارات طلایہ، تبریز، ۱۳۶۸ش، ج ا، ص ۱۴۰-۱۴۱ خیام پور کا مأخذ مصحفی کا عقد ثریا ہے لیکن حوالہ کی جگہ آزاد (ع) لکھ دیا ہے جس سے آزاد بلگرامی کا خزانۂ عامرہ مراد ہے۔ لیکن خزانہ میں بلیغ کے حالات ہی نہیں۔

(۱۱) گل عجائب، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۶ء، ص ۹۸؛ عبدالجبار صوفی ملکاپوری، محبوب الزمن تذکرۂ شعراے دکن، مطبع رحمانی، حیدر آباد، ۱۳۲۹ھ، حصہ دوم، ص ۸۳۷۔ (۱۲) شوق جب ۸۹-۱۱۸۸ھ میں طبقات الشعرا لکھ رہے تھے تو بتایا کہ بلیغ اِن دنوں دکن میں ہیں۔ لالہ سری رام نے خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ بلیغ سفر حج کے بعد دکن گئے تھے۔ میرے پیش نظر کلیات بلیغ میں ان کے حج کے سفر کی تاریخ ۱۱۸۲ھ درج ہے جس سے شوق کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۳) A,Sprenger,Catalogue of the Arabic ,Persian and Hindustany Manuscripts of the libraries of the King of Owdh, Calcutta, 1854, Vol.1,p.371

اسپرنگر نے شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست کی پہلی جلد مارچ ۱۸۴۸-جنوری ۱۸۵۰ کے دوران تیار کی۔ اس کتب خانے میں موجود بیس تذکروں کی مدد سے شاعروں کا تذکرہ لکھا۔ اس میں ذکا کے تذکرے کے حوالے سے بلیغ کا ذکر ہوا ہے۔ (ج ا، ص ۲۱۱) تذکرۂ یوسف علی خان (سال تالیف ۱۱۸۰ھ) کا تعارف لکھتے ہوئے، اس تذکرے میں مذکور جن شعراء کی فہرست دی ہے اس میں ''حاجی قدرت اللہ بلیغ ساکن اولدھن از دوابہ'' کا نام بھی ہے (ص ۲۱۱)۔ اشپرنگر کے اس تذکرے کا انگریزی سے اردو ترجمہ یادگار شعرا مترجمہ طفیل احمد (ہندوستانی اکادمی، الہ آباد، ۱۹۳۲ء) موجود ہے۔

(۱۴) فہرست نسخہ ہای خطی کتاب خانہ تحقیق و اشاعت کشمیر و کتاب خانہ حمیدیہ بھوپال، تہیہ و تنظیم مرکز تحقیقات زبان فارسی در ہند، ۱۳۶۴ش/ ۱۹۸۶، ص ۹۶، فہرست میں دیوان بلیغ کے تحت اندراج ہوا ہے۔ مادہ ''خیر الاسفار'' سے فہرست نویس نے غلط طور پر ۱۲۵۲ استخراج کیا ہے۔ بلیغ کے سلسلے میں نیز ملاحظہ ہو: جام جمشید نما، تالیف فرنزو، خطی، مجموعہ کیفی، دانش گاہ پنجاب، لاہور، Kpf I 3/2089-2090، ج ا، ورق ۱۳۹ الف۔ ۱۴۱ ب۔ جامع التذکرہ تالیف محمد انصار اللہ، قومی کونسل برای فروغ اردو زبان، دھلی، ۲۰۰۶ء، ج ا، ص ۳۰۱، ج ۲، ص ۱۸۶۔

حاجی محمد جان قدسی
عہد شاہ جہانی کا قادر الکلام شاعر

ڈاکٹر زرینہ خان

حاجی محمد جان قدسیؔ ، عہد شاہ جہانی کے سرسبز و شاداب گلستان کا وہ گل سرسبد تھا جس نے اپنے وجود سے اس دور کو معطر ہی نہیں کیا بلکہ فارسی شعر و ادب کی تاریخ میں اسے شہرت دوام کی خلعت حاصل ہوگئی۔

محمد جان قدسی مشہد مقدس کا رہنے والا تھا۔ عنفوان شباب میں اس نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی اسی نسبت سے حاجی اس کے نام کا حصہ بن گیا۔ قدسی نے اپنے وطن میں مروجہ علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ حج بیت اللہ سے واپس آنے کے بعد اپنے وطن میں ہی کسب معاش میں مصروف ہوگیا۔ مولف ''شاہ جہاں نامہ''، محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے:

> ''اس کی ذات نہایت پاکیزہ صفات، تقویٰ، تقدس اور پرہیزگاری سے متصف تھی۔ وہ فضائل سنیہ اور اخلاق مرضیہ کے بلند مرتبے پر فائز تھا۔ اس کی سخن دانی، سخن پروری اور تمام اصناف سخن میں اس کی مہارت و دستگاہ کے سبھی معترف تھے''۔(۱)

پچاس سال کی عمر میں اپنے وطن عزیز میں بہ علت اوضاع اقتصادی، ہندوستان کے بادشاہوں کی علم نوازی اور ادب پروری اور زر پاشی کا شہرہ وغلغلہ سن کر عازم ہندوستان ہوا۔ دوران سفر اس کی ملاقات ایک مقام پر خیمہ زن خواجہ عبداللہ زخمیؔ سے ہوئی، جو دربار شاہ جہانی کا ہفت ہزاری

شعبۂ فارسی، ویمنس کالج اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ۔

منصب دار تھا۔ خواجہ عبداللہ کی مدح میں قدسی نے ایک پر شکوہ قصیدہ کہا۔ قصیدہ سن کر عبداللہ قدسی کی قادر الکلامی اور فنی مہارت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی مسند سے اٹھ کر قدسی کو اپنی جگہ بٹھایا اور پھر باہر آ کر خیمے کا تمام ساز وسامان اور لشکر کی ساری چیزیں اسے انعام میں دے دیں۔ (۲)

۱۰۴۲ھ میں قدسی شاہ جہاں کے پانچویں جلوس کے موقع پر دربار میں باریابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ البتہ شاہ جہاں کے دربار میں رسائی قدسی کو کس وسیلے سے ہوئی اس کے متعلق تذکروں اور تاریخوں میں کوئی اطلاع نہیں ملتی ہے۔ بادشاہ کی مدح میں ایک زبردست قصیدہ قدسی نے پیش کیا، جس کے چند اشعار بطور ضیافت نذر قارئین ہیں:

فارسی	اردو ترجمہ
ای قلم بر خود ببال از شاد و بکشا زبان	اے قلم اپنی خوشی پر مکمل قابو رکھ اور زبان کھول
در ثنای قبلۂ دین ثانی صاحبقران	دے، دین کے قبلۂ ثانی شاہ جہاں صاحبقران
آبروی آفرینش ، کعبۂ صدق و صفا	کی مدح میں جو آفرینش کی عفت و آبرو اور
قبلۂ اقبالِ خانانِ زمن شاہِ جہاں	راستی و پاکیزگی کا کعبہ ہے۔ شاہ جہان کی
دولت از پیشانیش پیدا چو نور از آفتاب	ذات زمانے کے اقبال مند لوگوں کا قبلہ ہے۔
نصرتش از تیغ لامع ہم چو مہر از خاوران	دولت اور اقبال کا نور، آفتاب کے نور کی مانند
شہرت آثار عدلش زود بر خواہد گرفت	اس کی پیشانی پر دکھائی دیتا ہے اس کی چمک دار
تہمت زنجیر عدل از گردن نو شیروان (۳)	فاتح تلوار آسمان پر آفتاب کی مانند ہے۔ اس
	کے انصاف کی شہرت بہت جلد پکڑ لے گی
	نوشیروان کی گردن سے زنجیر عدل کی تہمت
	(یعنی نوشیروان کا عدل، شاہ جہاں کے انصاف
	کے سامنے ایک تہمت ہے، الزام ہے)۔

جب دربار میں قدسی نے یہ قصیدہ پڑھ کر سنایا تو شاہ جہاں عش عش کر اٹھا اور حکم دیا کہ قدسی کا منھ موتیوں سے بھر دیا جائے۔ مولف مرات الخیال لکھتا ہے کہ قدسی کا منھ سات بار موتیوں

اور جواہرات سے بھرا گیا۔(۴)

حالانکہ مولف تذکرہ سرو آزاد، میر غلام علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں نامہ اور بادشاہ نامہ کے مصنف عبدالحمید لاہوری، محمد صالح، ملا علاء الملک تونی، قدسی کے منھ کو جواہرات سے بھرنے کے بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ انعامات و اکرامات اور خلعت سے نوازنے کی تصدیق کرتے ہیں۔(۵)

قدسی کی سخن دانی کے متعلق محمد صالح شاہ جہاں نامہ میں لکھتا ہے:

''قصیدہ میں نادر و نایاب مضامین نظم کرتا ہے اور انصاف تو یہ ہے کہ کوئی بھی سخن دان اس کی شاعرانہ استعداد اور قدرت پر انگلی نہیں رکھ سکتا، کیونکہ اس کی سخن وری کھرے سونے کی طرح ہر قسم کی آلائش سے پاک و منزہ ہے اور تمام وجوہات سے سخن شناسان کے ذوق صحیح کے لیے باعث تسکین ہے، قصہ مختصر، اس کی بلند پایہ سخن وری اس کی فطری طبیعت اور میلان کا جادوان سرمایہ ہے، حاصل ہے۔ اکثر اس نے معنی پیش پا افتادہ یعنی اچھوتے اور نئے مضامین اس طرح سلک نظم میں پروئے ہیں کہ معنی کی بالادستی و برتری میں کمی نہیں آنے دی ہے اور کس خوبی سے مطالب کو بلند درجہ پر پہنچایا ہے۔ سخن فہموں اور سخن شناسوں کے خیال کے مطابق سخن وران مدت تک تن کو سخن کی بھٹی میں پگھلاتے ہیں اور شایستگی اور فضیلت کو برقرار رکھتے ہوئے قلم کے ذریعہ معنی کے ابر صفحہ قرطاس پر ریزش کرتے ہیں۔ اگرچہ قدسی اپنے وجود کی وجہ سے متاخرین میں شمار ہوتا ہے لیکن سخن دانی اور ادراک معانی سے مقدمان میں شمار کیا جاتا ہے''۔(۶)

غالباً بعض تذکرہ نویسوں کا یہ کہنا جائز ہے کہ اگر قدسی، کلیم سے پہلے شاہ جہاں کے دربار میں پہنچ گیا ہوتا تو ملک الشعرائی کے منصب پر فائز ہوتا۔ شاہ جہاں کے دربار سے منسلک ہونے کے بعد قدسی یومیہ وظیفہ پانے والوں میں شمار ہوا (۷)۔ شاہی دربار سے وابستہ ہونے کے بعد قدسی فارغ البالی اور بے فکری سے مشق سخن میں مشغول ہوگیا۔ ۱۰۴۲ھ میں شاہ جہاں نے قلعہ دولت آباد فتح کیا۔ اس فتح کی خوشی میں قدسی نے ایک نظم کہی اور دربار میں شاہ جہاں کے سامنے

پڑھ کر سنائی ۔نظم میں قلعہ کی تعریف وتوصیف اور بادشاہ کی شجاعت و دلیری اور ملک گیری کی ستایش ہے۔نظم کے چند ابیات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

فارسی	اردو ترجمہ
حصارے کہ مثلش نہ دیدہ است کس	ایسا قلعہ کہ اس کی مانند دوسرا کسی نے نہیں
بود قلعہ دولت آباد و بس	دیکھا ۔ وہ صرف دولت آباد کا قلعہ ہے اور
فلک را رخ از رفعت پایہ اش	بس۔ بلند قلعہ آسمان کی جانب رخ کیے کھڑا
کبود است از لطمۂ سایہ اش	ہے ۔ اس کے سایے کے تھپیڑ سے آسمان کا
بود مملکت را عروس ایں حصار	رنگ نیلا ہوگیا ہے ۔ یہ قلعہ اس سلطنت کی
کہ پایش برد از شفق زر نگار (۸)	دلہن ہے۔کہ جس کے پیروں کو شفق نے نقش و
	نگار سے آراستہ کیا ہے

۱۰۴۲ھ میں شاہ جہاں کشمیر کے سفر پر گیا، قدسی بھی ہم رکاب تھا۔اس جنت ارضی کی بے پناہ قدرتی و زیبائی دیکھ کر قدسی مبہوت ہوگیا اور ایک پوری مثنوی کشمیر کے ملکوتی حسن سے متاثر ہوکر کہی ، جو تخیل کی بلند پروازی ،نکتہ سنجی ،معنی آفرینی اور صنائع لفظی و معنوی سے آراستہ و پیراستہ ہے اور ہندوستان سے قدسی کی محبت اور عظمت کا اعتراف بھی ہے۔مثنوی کے چند اشعار نقل ہیں جن میں کشمیر کی خوبصورتی ، یہاں کے قدرتی مناظر ، باغ ،سبزہ زار، پہاڑ، پھول ، پھل، آبشار ، دریا ،تفریح گاہ اور بادشاہ شاہ جہاں کی مدح وستایش نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کی ہے، جو منظر کشی میں جادو بیانی اور صناعی کا عمدہ نمونہ ہیں:

فارسی	اردو ترجمہ
خوشا کشمیر خاک پاک کشمیر	بہت خوب ! ای خاک پاک کشمیر، بہشت بھی
کہ سر بر زد بہشت از خاک کشمیر	کشمیر کی خاک سر پر رکھتی ہے ۔ کیسا کشمیر جو
چہ کشمیر آبروی ہفت کشور	سات ملکوں کی آبرو اور آن بان ہے ۔ نگاہ اس
نگاہ از دیدن او تازہ و تر	کے دیکھنے سے تروتازہ ہوجاتی ہے۔کیسا کشمیر کہ
چہ کشمیر آب و رنگ باغ دلستان	جس کے باغ کا پانی اور رنگ یعنی خوبصورتی

فارسی	اردو ترجمہ
اسیر ہر نہالش صد گلستان ز سبزی ہر نہالش رشک طوبیٰ جہاں گیر اند سبزانش بہ خوبی ز جوش سبزہ در کوہ و بیابان زمین کشتہ و ناکشتہ یکساں جز آن گلہا کہ مشہور جہان است کہ ایں جا بوستان در بوستان است اگر ایں ست نزہت گاہ کشمیر ہزاران جان فدای راہ کشمیر سراسر کوہ در سرو و صنوبر بر درختان کردہ خارا را مشجر	دلربا ہے۔اس کے ہر پودے میں سوگلستان قید ہیں ۔ ہریالی اور تازگی میں ہر پودا جنت کے درخت طوبیٰ کے لیے باعث رشک ہے ۔ یہاں کے سبزہ زار اپنی خوبی سے دنیا کو مسخر کرلیتے ہیں۔ سبزہ فراوانی کے ساتھ پہاڑوں اور بیابانوں میں اُگا ہوا ہے۔زمین زرخیز ہو یا بنجر سب جگہ یکساں سبزہ اُگا ہے۔نہ صرف وہ پھول کھلے ہوئے ہیں جو سارے عالم میں مشہور ہیں بلکہ اس جگہ باغ ہی باغ مہک رہے ہیں ۔ (یعنی اتنی فراوانی سے گلستان ہیں) اگر یہی حسین جگہ کشمیر ہے تو ہزاروں جانیں اس کے راستے میں قربان ہیں۔تمام پہاڑی سلسلوں پر سرو وصنوبر کے درخت سر اٹھائے کھڑے ہیں۔درختوں کی فراوانی نے بنجر پہاڑوں کو درختوں سے ہرا بھرا کردیا ہے۔

کشمیر کی تعریف کے بعد قدسی وہاں کے جستہ جستہ دلکش وحسین باغوں اور پہاڑوں، جھرنوں، تالابوں کی ستایش دلکش پیرائے میں کرتا ہے۔باغ جہاں آراء کی ستایش میں رقم طراز ہے:

فارسی	اردو ترجمہ
ندارد دہر جایے دل فروگیر بہ از باغ جہاں آرائے کشمیر	دنیا میں دل کو اسیر کرنے والی کوئی جگہ نہیں ہے، کشمیر کے باغ جہاں آرا سے بہتر۔

تالاب صفاپور کو دیکھ کر قدسی بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:

فارسی	اردو ترجمہ
بود جام جہاں بین گرچہ پرنور	جام جہاں نما اگرچہ پرنور ہوگا لیکن صفاپور کے

ندارد نور تالاب صفاپور تالاب سے زیادہ پرنور نہیں ہوگا۔ (یعنی پانی اتنا صاف، شفاف اور چمکیلا ہے)

جب شاہ جہاں کے کشمیر میں مبارک قدم پڑتے ہیں تو اس ساعت مسعود پر لکھتا ہے:

فارسی	اردو ترجمہ
صبا رفت و گلستان را خبر کرد کہ اینک نو بہار تازہ سر کرد گل از شبنم بروئے غنچہ زد آب کہ دولت میرسد بر خیز از خواب در آمد بادشاہ ہفت کشور بہ گلشن چوں بہار تازہ و تر	بادصبا گئی اور گلستان کو خبر کردی کہ اس نے تازہ نوبہار کو مکمل کر دیا ہے۔ پھول نے شبنم کے قطرے کلیوں کے چہروں پر چھڑک دیے ہیں کہ دولت وخوش بختی آرہی ہے خواب سے بیدار ہوجاؤ اور اس کا استقبال کرو۔ سات ملکوں کا بادشاہ آ گیا ہے۔ باغ میں جیسے تروتازہ بہار آ گئی ہے۔

باغ آصف آباد کی توصیف میں:

فارسی	اردو ترجمہ
چو آمد سوئے باغ آصف آباد سلیمان ملک خود را رونما داد	جب باغ آصف آباد کی جانب آئے۔ سلیمان نے اس کی رونمائی میں اپنا ملک دے دیا۔ (حضرت سلیمانؑ کی جانب اشارہ ہے)

چشمہ ویرناگ کے بارے میں رطب اللسان ہے:

فارسی	اردو ترجمہ
خضر سرچشمہ ورناگ جوید کہ دست از چشمۂ حیوان شوید	خضر بھی چشمۂ ویرناگ کے سرچشمہ کو ڈھونڈ ھتے ہیں کہ انہوں نے آب حیات کے چشمے سے ہاتھ دھو لیے ہیں۔ (یعنی چشمہ ویرناگ کا پانی آب حیات کے چشمے سے بڑھ کر ہے اس لیے خضر بھی اس کے پانی کی تلاش میں سرگرداں ہیں)

باغ فرح بخش کا حسن ملاحظہ ہو:

فارسی	اردو ترجمہ
مرا باغ فرح بخش است منظور	مجھے باغ فرح بخش ہی قبول ہے۔ میں جنت
ندارم آرزوئے روضۂ حور	میں حور کے باغ کی آرزو نہیں رکھتا۔

باغ نسیم عیش آباد کا تر و تازہ حسن جنت کے لیے قابل رشک ہے:

فارسی	اردو ترجمہ
نسیم فیض در باغ نسیم است	فیض کی باد صبا باغ نسیم آباد میں ہے۔ جنت
بہشتش از مریدان قدیم است (۹)	اس کی قدیم مریدوں میں سے ہے، یعنی جنت
	اس کی زیبائی و حسن کی گرویدہ ہے۔

قدسی کی پوری مثنوی زبان کی لطافت، رنگین بیانی، دل آویزی، فصاحت، بلاغت اور رعنائی کا مرقع ہے۔ کشمیر کے دلکش و حسین مقامات کا ذکر جس دلکش انداز میں قدسی نے کیا ہے وہ منظرکشی کی جادوگری اور سحر انگیزی ہے۔ خوانندہ اپنے آپ کو کشمیر کی ان حسین وادیوں اور باغوں کی سیر کرتے ہوئے پاتا ہے۔ ایسے ایسے دلنشین و دلکش تشبیہات و استعارات ہیں جو دامن دل کو بے ساختہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ صنعت لفظی اور معنوی کا حسین امتزاج ہے۔ صنعت مبالغہ، حسن تعلیل، تشبیہ وغیرہ کا کثرت سے استعمال ہے۔ کشمیر کے مقامات کی سیر کروانے کے بعد قدسی وہاں کے پھلوں اور پھولوں کا ذکر بھی نہایت دلربا انداز میں کرتا ہے۔ گلاب، لالہ، نرگس اور سنبل کی خوبصورتی اور رعنائی کا بیان اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔

''تخت مرصع'' شاہ جہانی دور کا سب سے بڑا فنی کارنامہ کہا جاتا ہے، جو بعد میں ''تخت طاؤس'' کے نام سے معروف ہوا۔ تخت مرصع اس دور کے مشہور شاعر، صناع اور زرگر، سعیدائے گیلانی کے ہاتھوں انجام پایا۔ سعیدائے گیلانی کو شاہ جہاں نے سناری کے کام میں مہارت کے باعث ''زرگر خانہ'' کا داروغہ مقرر کیا تھا اور اسے ''بیدل خان'' کا خطاب عطا کیا تھا۔ ''تخت مرصع'' سات سال کی محنت اور کاری گری کے بعد بن کر تیار ہوا تھا۔ اس پر شاہ جہاں نے ایک کروڑ روپے خرچ کیے تھے۔ ۱۰۴۴ھ میں مکمل ہوا۔ اس میں ہیرے، جواہرات، مروارید، قیمتی پتھر، یاقوت، لعل، زمرد، الماس

کا استعمال ہوا تھا، جس سے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اسی موقع پر قدسی نے ایک طویل ''قطعہ تاریخ،، نظم کیا تھا جس میں تخت مرصع کی زیبائی اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے، جواہرات اور موتیوں کا ذکر نہایت جالب انداز میں کیا ہے۔

فارسی	اردو ترجمہ
زہے فرخندہ تخت پادشاہی	یہ مبارک بادشاہ کا تخت کہ جو حمایت اور تائید الٰہی کا
کہ شد سامان بہ تائید الٰہی	سامان بن گیا ہے۔ آسمان نے ایک دن میں اسے
فلک روزی کہ می کردش مکمل	مکمل کرلیا ہے۔ پہلے آفتاب کے سونے کو پگھلایا
زر خورشید را بگداخت اول	ہے۔ اس کا حکم کارفرما ہے اس کے بنانے میں (یعنی
بہ حکم کارفرما صرف شد پاک	غیب کا ہاتھ ہے) اس کی میناکاری آسمانوں کی
بہ میناکاریش مینائی افلاک	میناکاری ہے۔ تخت کو بنانے میں زر و جواہرات کے
جز ایں تخت از زر و گوہر چہ مقصود	استعمال کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اس
وجود بحر و کان را حکمت ایں بود	میں بحر و کان کا وجود ہونا حکمت ہے۔ یاقوت قیمتی و
ز یاقوتش کہ در قید بہا نیست	بیش بہا ہونے کی وجہ سے جڑے ہوئے نہیں ہیں
لب لعل بتان را دل بجا نیست	بلکہ یہ محبوبوں کے سرخ لب ہیں جن کا مقام دل
بہ خرجش عالم از زر شد چناں پاک	نہیں یہ تخت ہے۔ اس کی لاگت یا خرچ کی وجہ سے
کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک	دنیا اس طرح دولت سے پاک ہوگئی ہے کہ جیسے
خراج بحر و کان پیرایۂ او	زمین کا سینہ یا جیب خزانے سے خالی ہوگیا ہو۔ بحر و
پناہ عرش و کرسی سایۂ او	کان نے اس کے سنوارنے اور سجانے میں خراج دیا
در اطرافش بود گلہائے مینا	ہے، عرش و کرسی اس کے سایے کی پناہ میں ہیں۔ اس
فروزان چوں چراغ از طور سینا	کے اطراف میں میناکاری سے جو گل بوٹے بنائے
شب تا را ز فروز لعل و گوہر	گئے ہیں وہ گویا طور سینا کی روشنی سے فروزاں چراغ
تواند صد فلک را داد اختر	ہیں۔ (یعنی پھول جو ہیرے جواہرات سے بنائے
چوں تاریخش زبان پرسید از دل	ہیں وہ ایسے دمک رہے ہیں) اس میں جڑے لعل و گوہر

فارسی	اردو ترجمہ
بہ گفت ''اورنگ شاہنشاہِ عادل'' ۱۰۴۴ھ	تاریک رات کو روشن کر سکتے ہیں اور سو آسمانوں کو ستارے دے سکتے ہیں (یعنی لعل و گوہر اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ سو آسمانوں پر ستاروں کی مانند روشنی دے سکتے ہیں) جب اس کی تاریخ دل سے زبان نے پوچھی تو دل نے کہا ''یہ تخت شہنشاہ عادل'' کا ہے۔ ۱۰۴۴ھ

بادشاہ شاہ جہاں کو یہ تاریخ اتنی پسند آئی کہ اس نے ''تخت مرصع'' پر کندہ کروایا۔(۱۰)

قدسی شاہ جہاں کے دربار سے ہمیشہ فیضیاب ہوتا رہا اور موقع بہ موقع انعامات و خلعت سے نوازا گیا۔۱۰۴۵ھ میں جشن نوروز کے موقع پر ایک تہنیتی قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جو شاہ جہاں کو بے حد پسند آیا اور اس نے انعام میں سکوں میں تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار پانچ سو تھے(۱۱)۔۱۰۴۹ھ میں قدسی کے مدحیہ کلام کے پسندیدہ اشعار کے صلہ میں سو اشرفیاں شاہ جہاں نے مرحمت فرمائیں۔(۱۲)

۱۰۵۴ھ میں جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں کے کپڑوں میں شمع کی لَو سے آگ لگ گئی تھی اور وہ جل گئیں تھی۔اس موقع پر قدسی نے ایک رباعی کہی تھی جس کا آخری شعر حسب ذیل ہے:

تا سرزده شمع با چنیں بے ادبی پروانہ ز عشق شمع واسوختہ است	شمع اس بے ادبی پر اپنا سر پٹک رہی ہے اور پروانہ شمع سے اپنے عشق پر دل گرفتہ وافسردہ ہے۔(ایسی شمع سے عشق کیا جس نے جہاں آرا بیگم کے حضور میں گستاخی کی ہے)

جہاں آرا بیگم کے صحت یاب ہونے پر قدسی نے ایک پرشکوہ قصیدہ نظم کیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔شاہ جہاں نے پسند کیا اور دو ہزار روپے انعام میں دیے۔(۱۳)

قدسی نے شاہ جہاں کے حکم پر سرکاری تاریخ ''ظفر نامہ شاہ جہاں'' نظم کیا،جس کے متعلق مولف عمل صالح لکھتا ہے ''قدسی بادشاہ نامہ صاحبقرانی بہ نظم آوردہ''(۱۴)،صاحب کلمات الشعراء

رقم طراز ہے:

''ظفر نامہ شاہ جہاں با حسن وفصاحت و بلاغت تمام ادا کردہ''۔(۱۵)

قدسی کو اس کے ہم عصر اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے متفقہ طور پر شیریں بیان، ماہر فن اور تمام اصناف سخن میں ماہر قرار دیا ہے۔ تذکرہ سرو آزاد کے مولف میر غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

''قدسی جان سخن پروری وروح معنی گستری''۔(۱۶)

تذکرہ مرات الخیال میں لکھا ہے کہ قدسی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی میں اپنے پیش رووں سے سبقت لے گیا۔(۱۷)

مولف ''تذکرہ ھمیشۂ بہار'' قدسی کو ''سرآمد شیرین کلامان زمان'' قرار دیتا ہے(۱۸)، تذکرہ نتائج الافکار کا مولف قدسی کو ''شیرین کلام شاعر'' گردانتا ہے۔(۱۹)

اس کے علاوہ تذکرہ ریاض الشعراء، صحف ابراہیم، لطائف الخیال، عرفات العاشقین، تذکرہ حسینی اور تذکرہ نصر آبادی میں قدسی کو نہایت فصیح و بلیغ شاعر قرار دیا ہے۔

قدسی کی وفات بہ سبب عارضہ اسہال ۱۰۵۶ھ میں لاہور میں ہوئی۔ اسے لاہور میں دفنایا گیا۔ مولف تذکرہ نصر آبادی لکھتا ہے کہ قدسی کی لاش کو اس کے وطن مشہد مقدس لے جایا گیا اور وہیں تدفین ہوئی۔(۲۰)

کلیم کاشانی نے قدسی کی وفات پر ایک مرثیہ کہا تھا اور اس کی تاریخ وفات نکالی تھی۔

''دور از ان بلبل قدسی چمن زندان شد'' ۱۰۵۶ھ۔(۲۱)

غنی کشمیری نے بھی قدسی کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا تھا، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عمرہا در یاد او زیر زمیں — عمریں گزر گئیں ان کی یاد میں جو زیر زمین دفن
خاک برسر کرد قدسی و سلیم — ہیں، قدسی اور سلیم نے سر پر خاک کر لی۔
عاقبت از اشتیاق یکدگر — ایک دوسرے کی عاقبت کا ایسا اشتیاق ہے کہ
گشتہ اند ایں ہرسہ در یکجا مقیم (۲۲) — یہ تینوں ایک جگہ مقیم ہو گئے ہیں۔

اس مقالے میں راقمۃ الحروف نے قدسی کے قصیدہ، مثنوی، نظم اور رباعی کے اشعار بطور

ہدیہ قارئین نقل کیے ہیں، لازم معلوم ہوتا ہے کہ قدسی کی غزل کے چند اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ اگرچہ بحیثیت قصیدہ گو مثنوی نگار قدسی کی استادی مسلم ہے۔ لیکن غزل گوئی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بلند ہے۔ ان کی غزلیں مخصوص لحن کی نمایندہ ہیں۔ ذیل میں چند اشعار قدسی کی غزلوں سے ملاحظہ ہوں:

فارسی

من آن نیم کہ کنم سرکشی ز تیغ جفا
چو شمع زندہ سر خویش دیدہ ام بر پا
کسی کہ لذت پیکان بی نشانی یافت
دگر نشد بہ نشان آشنا چو تیر خطا
برای زینت مژگاں بدیدہ خواہم خون
وگر نہ برکف دریا کسی نہ بستہ حنا (۲۳)
باب خود چو زمرد کسی کہ سبز بود
نہ شان ابر شناسد نہ شوکت دریا
زود کردم من بی صبر داغ خویش را
اول شب میکشد مفلس چراغ خویش را
در جلوہ گری چو نتو کسی یاد ندارد
نادر بود آن پیشہ کہ استاد ندارد
ہر کہ امشب می ننوشد، او بما منسوب نیست
پارسا در حلقۂ مستان نشین خوب نیست
گرچنیں فصلی کہ بلبل مست و گلشن پر گل است
گر ہمہ پیمانۂ عمر است خالی خوب نیست
برقع ز عارض برفگن یک صبح دم گر از حیا
گردد خرامش صبح را خورشید تابان در بغل (۲۴)

اردو ترجمہ

میں ان میں سے نہیں ہوں جو جفا کی تلوار کے سامنے سرکشی کریں۔ میں تو شمع کی طرح ہوں اور اپنا سر قدموں میں دیکھتا ہوں (تلوار کے)۔ وہی شخص اس بے نشان تیر کی لذت پا سکتا ہے، دوسرا نہیں ہوگا اس نشان کی لذت سے آشنا جو خطا کے تیر سے زخمی ہوا ہو، میں پلکوں کا حسن بڑھانے کے لیے آنکھوں میں خون چاہتا ہوں ورنہ دریا کے کنارے کون مہندی لگاتا ہے۔ وہ جو زمرد کی طرح اپنے ہی پانی سے سبز ہوگیا ہو (یعنی جو سبز رنگ رکھتا ہو) وہ ابر کی شان اور دریا کی عظمت کو کیا پہچانے گا۔ (یعنی بارش اور دریا کی عظمت و افادیت کو وہی پہچان سکتا ہے جو تشنہ ہے)۔ میں نے عجلت میں اپنے غم کے داغ کو ظاہر کردیا، جیسے مفلس اول شب ہی چراغ کو بجھا دیتا ہے (اور اپنی مفلسی ظاہر کردیتا ہے) جلوہ گری میں تیرے سوا کوئی اور مجھے یاد نہیں آتا تو نایاب ہوگیا اپنے پیشے میں کیونکہ استاد نہیں رکھتا ہے۔ ہر وہ شخص جو شراب نہ پیئے، وہ ہم سے منسوب نہیں ہے، پارسا شخص مستوں کے ساتھ بیٹھے، یہ اچھا نہیں ہے،

اگر ایسا موسم ہو کہ جب بلبل مست ہو کر نغمہ سرائی
کر رہی ہو اور گلشن پھولوں سے بھرا ہو۔ اس وقت
اگر عمر کا پیمانہ خالی ہو جائے تو یہ اچھا نہیں ہے۔
اگر ایک صبح وہ شرمیلا محبوب اپنے رخ سے نقاب
ہٹا دے تو درخشاں آفتاب آہستہ سے صبح کو اپنی
بغل میں چھپا لے گا (صبح دیر سے ہوگی، رخ روشن
کی تابانی کی وجہ سے)

مآخذ ومنابع

۱- بادشاہ نامہ (ج ۲-۱)، عبدالحمید لاہوری، مخطوطہ، شعبہ تاریخ، اے ایم یو، علی گڑھ۔

۲- شاہ جہاں نامہ (عمل صالح)، ج ۳، ۲، ۱، محمد صالح کنبوہ، شعبہ تاریخ، اے ایم یو، علی گڑھ۔

۳- دیوان قدسی مشہدی، چاپ بوستان العاشقین، چکوا منڈی لکھنؤ۔

۴- تذکرہ سرو آزاد میر غلام علی آزاد بلگرامی، کتاب راقم الحروف، (تصحیح وتدوین ومقدمہ)، ۲۰۰۸۔

۵- تذکرہ کلمات الشعراء، محمد افضل سرخوش، عالم گیر پریس، تحصیل بازار، لاہور، ۱۹۴۲ء۔

۶- تذکرہ نتائج الافکار، محمد قدرت اللہ گوپاموی، چاپ خانہ سلطانی، بمبئی، ۱۳۳۶ھ۔

۷- تذکرہ مرات الخیال، شیر خان لودھی، چاپ کلکتہ، ۱۸۳۱ء۔

۸- تذکرہ حسینی، میر حسین دوست سنبھلی، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، چاپ ۲۰۰۸ء۔

۹- تذکرہ شعرای کشمیر (ج ۱، ۲، ۳) سید حسام الدین راشدی، اقبال اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۷ء۔

۱۰- تذکرہ نصرآبادی، طاہر نصرآبادی، چاپ تہران۔

۱۱- تذکرۃ الشعراء، عبدالغنی خان، انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء۔

۱۲- عرفات العاشقین، محمد تقی اوحدی، مخطوطہ، آزاد لائبریری، اے ایم یو، علی گڑھ۔

حواشی

(۱) شاہ جہاں نامہ (عمل صالح)، ج ۳، ص ۴۱۸۔ (۲) تذکرہ مرات الخیال، ص ۱۳۵، کلمات الشعراء، ص ۹۰،

تذکرہ حسینی، ص ۳۸۱۔ (۳) تذکرہ شعرای کشمیر، ص ۳۳-۱۲۴۶، تذکرہ حسینی، ص ۳۸۱۔ (۴) تذکرہ مرات الخیال، ص ۶-۱۳۵، تذکرہ حسینی، ص ۳۸۱، صحف ابراہیم، ص ۱۸۶۔ (۵) سروآزاد (کتاب راقم الحروف، تحقیق تدوین، تصحیح، مقدمہ)، ص ۲۶۲۔ (۶) شاہ جہاں نامہ (عمل صالح)، ج ۳، ص ۱۹-۴۱۸۔ (۷) تذکرہ سروآزاد، ص ۶۳-۲۶۲، تذکرہ نصر آبادی، ص ۳۲۵۔ (۸) بادشاہ نامہ، ج ۱، ص ۵۲۰، شاہ جہاں نامہ، ص ۱۹-۴۱۸، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۳۸۔ (۹) دیوان قدسی مشہدی، ص ۶۶ (مثنوی کے اشعار)، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۳۳۔ (۱۰) بادشاہ نامہ، ج ۱، حصہ دوم، ص ۸۱-۸۷، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۳۶-۱۲۴۳۔ (۱۱) ایضاً، ص ۵۲-۱۴۲، سروآزاد، ص ۲۶۳، کلمات الشعرا، ص ۴۴، تذکرۃ الشعراء، ص ۹۰۔ (۱۲) سروآزاد، ص ۲۶۴، تذکرہ شعرای کشمیر، ص ۱۲۴۵۔ (۱۳) بادشاہ نامہ، ج ۲، ص ۶۰۰، تذکرہ سروآزاد، ص ۲۶۵۔ (۱۴) شاہ جہاں نامہ (عمل صالح)، ج ۲، ص ۴۱۸، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۴۵۔ (۱۵) کلمات الشعرا، ص ۹۰۔ (۱۶) سروآزاد، ص ۲۶۲۔ (۱۷) مرات الخیال، ص ۱۳۷-۱۳۶۔ (۱۸) بحوالہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۴۸۔ (۱۹) نتائج الافکار، ص ۵۶۲۔ (۲۰) تذکرہ نصر آبادی، ص ۳۲۵، تذکرہ سروآزاد، ص ۲۶۵، شاہ جہاں نامہ، ص ۴۱۹، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۴۵۔ (۲۱و۲۲) سروآزاد، ص ۲۶۵، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۴۷۔ (۲۳) دیوان قدسی، ص ۶۶، تذکرہ حسینی، ص ۳۸۲، سروآزاد، ص ۲۶۵، تذکرہ شعرای کشمیر، ج ۳، ص ۱۲۴۵۔ (۲۴) شاہ جہاں نامہ (عمل صالح)، ج ۳، ص ۹۸-۳۹۷، تذکرہ حسینی، ص ۸۲-۳۸۱، تذکرہ شعرای کشمیر، ص ۱۲۲۸ (بحوالہ تذکرہ میخانہ)، تذکرہ سروآزاد، ص ۲۶۵۔

اصغرؔ گونڈوی اور ان کا غیر مطبوعہ کلام

جناب انوار صمدانی امروہوی٭

بیسویں صدی عیسوی کے مشہور و معروف صوفی شعراء میں مولوی اصغر گونڈوی کا نام سرفہرست ہے۔ ان کا نام اصغر حسین اور تخلص اصغرؔ تھا۔ وہ نسباً صدیقی النسل تھے۔ (بحوالہ اصغر گونڈوی: احوال وافکار، ص ۴۳) والد کا نام جناب تفضّل حسین تھا، تفضّل حسین صاحب (قانون گو) ۱۸۸۲ء میں بسلسلہ ملازمت گورکھ پور سے گونڈہ تشریف لائے تھے۔

جناب اصغر ریاست اتر پردیش کے ضلع گونڈہ میں یکم مارچ ۱۸۸۴ء مطابق ۳/ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ بہ روز ہفتہ پیدا ہوئے، (آبائی وطن گورکھ پور تھا) اور ۲۹/ نومبر ۱۹۳۶ء کو بہ عارضہ فالج الہ آباد میں انتقال ہوا۔ ان کی آخری آرام گاہ درگاہ حضرت شاہ محبّ اللہؒ الہ آبادی (۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء) چشتی صابری کے احاطہ میں ہے۔

تماشائے جہاں مفت نظر ہے　　　کہ یہ گلزار باغ رہ گذر ہے　(غالبؔ)

انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور تعلیم کا یہ سلسلہ صرف آٹھویں کلاس تک ہی محدود رہ سکا۔ لیکن نجی طور پر انہوں نے اپنے علمی سفر کو جاری وساری رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ سلسلہ طریقت میں قاضی سید عبدالغنی کاظمی منگلوری سے بیعت تھے لیکن شعری نشو ونما میں امیر اللہ تسلیم لکھنوی (م ۲۸/ مئی ۱۹۱۱ء) کے شاگرد اور جگر مرادآبادی (م ۹/ ستمبر ۱۹۶۰ء) کے استاد تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعری میں علامہ اقبال (۱۹۳۹ء) جیسی فکر اور حافظ جیسا رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں جب وہ لاہور گئے تو وہاں علامہ اقبالؒ سے ملاقات ہوئی۔

٭ساکن محلّہ بچدرہ، امروہہ، یوپی۔

علامہ اقبال بھی ان کی سیرت اور شعری بصیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ علامہ اقبال نے فوراً ہی دو شعر موزوں کر کے گونڈوی صاحب کو عنایت فرمائے اور کہا کہ انہیں اپنی غزل کے ساتھ رکھنا۔ (بحوالہ کلیات اصغر، ص ۱۱۶، مطبوعہ ۲۰۰۴ء)

چشم آدم آں سوئے افلاک نورش ہم نیافت   از خیال مہر و اندیشہ آلودہ بود
من درونِ سینۂ خود سومناتے ساختم   آستان کعبہ را دیدم جبیں فرسودہ بود

امام الہند علامۃ العصر مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) جیسی شخصیت کے دل پر بھی انہوں نے نقش تابندہ ثبت کر دیے۔ مولانا آزاد اصغر صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:

''اردو شاعری کی موجودہ صف طویل نہیں ہے اور اگر معیار کی بلندی پوری طرح قائم رکھی جائے تو معدودے چند اصحاب ذوق سے شمار آگے نہیں بڑھتا۔ ان ہی اصحاب ذوق میں مولوی اصغر حسین گونڈوی بھی ہیں''۔ (سرود زندگی، ص ۱۰، طبع اول ۱۹۳۵ء)

ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی) رقم طراز ہیں:

''فی زمانہ دنیائے ادب میں جو شہرہ مولوی اصغر صاحب نے حاصل کیا ہے اس سے میں بہت عرصے سے واقف ہوں۔ لیکن پچھلے تین چار سال سے جب سے موصوف کا ہندوستانی اکیڈمی سے تعلق ہوا ہے مجھے خوش نصیبی سے آپ کے علمی مضامین پر غور کرنے اور آپ کے کلام کے سننے کا اکثر موقع ملا ہے۔ مولوی اصغر صاحب کی شاعری ان کی زندگی کا عکس ہے اور زردشتیوں کے قول کے مطابق ان کی رفتار، گفتار اور کردار میں مطابقت پائی جاتی ہے''۔ (سرود زندگی، ص ۱۰، طبع اول ۱۹۳۵ء)

مولوی اصغر گونڈوی صاحب غزل کے بال و پر سنوارنے میں بلند مقام رکھتے تھے، چنانچہ کرشن کانت ''کلیات اصغر''، مطبوعہ ۲۰۰۴ء، ص ۱۴ پر لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کی اردو غزل گوئی کے عروق مردہ میں جن شعراء نے تازہ خون دوڑانے کی سعی کی، اصغر ان میں پیش پیش نظر آتے ہیں''۔

ان کے دو شعری مجموعے بہ نام نشاط روح اور سرود زندگی (۱۹۳۵ء) ان کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔ ع

ہر گلے رنگ است و خوش بوئے دیگر است

لیکن سرود زندگی میں ان کا مکمل کلام نہیں ہے۔ بعدۂ کرشن کانت صاحب نے ان کے کلام کو مرتب کر کے "کلیات اصغر" کے نام سے شائع کیا۔ مگر افسوس! اس میں بھی اصغر صاحب کا مکمل کلام شائع نہیں ہو سکا۔ اصغر گونڈوی "سرود زندگی" کے شائع ہونے کے بعد تقریباً دو سال حیات رہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد اقبال احمد خاں "اصغر گونڈوی......احوال و افکار" ص ۱۴۸ پر رقم طراز ہیں۔ (یاد رہے اقبال صاحب نے دیدہ و شنیدہ حالات اصغر مذکورہ کتاب میں درج کیے ہیں):

"اصغر سرود زندگی کی طباعت کے بعد قریب قریب دو سال زندہ رہے۔ ان دو سالوں کا کلام منظر عام پر نہیں آسکا۔ یہ کلام کتنا تھا، یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم دس بیس غزلیں تو نہیں ہوں گی اب ایک کا بھی پتہ نہیں۔ رئیس احمد صاحب عباسی نے ۲ رمئی ۱۹۷۱ء کو ایک گفتگو کے دوران جو ان کے یہاں گورنمنٹ کالج ساہیوال کی لائبریری میں ہوئی، فرمایا: "ممانی کے پاس اصغر صاحب کی ایک بہت بڑی تصویر (آفسیٹ)، اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا بکس تھا، جس میں کچھ کاغذات تھے وہ اکثر اسے کھول کر دیکھا کرتی تھیں۔ ایک بار میں نے پوچھا کہ ممانی اس میں کیا ہے تو انہوں نے فرمایا اس میں بابو (ماموں) کا غیر مطبوعہ کلام اور خطوط ہیں۔ افسوس ہے کہ ممانی کے انتقال کے بعد ماموں نے جب دوسری شادی کی تو ہماری نئی ممانی نے مرحومہ کی تمام چیزیں جلا ڈالیں"۔

چونکہ راقم کے یہاں قدیم قلمی کتب اور دیگر نوادر کا کاروبار ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں راقم السطور اور والد بزرگوار جناب توفیق احمد قادری چشتی مدظلہ العالی نے بھوپال کا سفر کیا۔ وہاں اصغر صاحب کا خود نوشت کلام سرود زندگی ملا (۱)۔ اصغر صاحب نیلی روشنائی اور فونٹن قلم کا استعمال کرتے

(۱) قاضی سید افضال حسین صاحب شعبہ اردو اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ کے حکم پر ڈاکٹر محمد عرفان ندوی نے یہ کتاب اردو اکیڈمی علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی نمبر اندراج ۳۹۳ کی زیراکس عنایت فرمائی جس کے لیے احقر ان دونوں حضرات کا تہ دل سے شکر گذار ہے۔

تھے۔ یہ دستی کلام ۳۰۶ صفحات اور ۲۴۱ غزلوں اور چند متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قلمی بیاض یا دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصغر صاحب بہترین خوشنویس بھی تھے۔ مولانا اصغر گونڈوی صاحب کا غیر مطبوعہ کلام سرودِ زندگی ملاحظہ ہو۔ یہ شعر ''نظر آتا ہے وہ سب طرز نظر ہے'' کے زیر عنوان ہے:

۱- ہے کوئی کہ آنکھیں ہوں مگر کچھ بھی نہ دیکھے ایک ایک کو اس بزم میں دعوائے نظر ہے
(ورق ۱/ب)

۲- نگہ مست سے ایک ایک کو مدہوش بنا اسی انداز سے ساغر کو چھلکتا دیکھیں
(ورق ۴/الف)

۳- خستگی اک مصلحت افتادگی اک راز ہے خاک کی جبریل سے بڑھ کر کہیں پرواز ہے
(ورق ۴/الف)

۴- ایک ذوق دید پیہم اک تماشا ہے دوام اب نہ کچھ انجام ہے میرا نہ کچھ آغاز ہے
(ورق ۴/الف)

۵- کیا ہوئیں اے دل تری ہنگامہ آرا شورشیں شاید عالم ابھی تک محو خواب ناز ہے
(ورق ۴/الف)

مذکورہ غزل 'میری آنکھیں بند ہیں اور چشم انجم ناز ہے' کے زیر عنوان اصغر صاحب نے بلرام پور کے مشاعرے میں ۱۱/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پڑھی تھی (قلمی دیوان ورق ۵/الف، ب)

۶- یہ جہان بے نشان سے جنبش پیغام ہے تو نے سمجھا ہے کہ کوئی چیز پیمانے میں ہے
۷- تو نے دیکھا مجھ کو ساقی اب کہاں تمکین و ہوش وہ تو آنکھوں سے چھلکتی ہے جو پیمانے میں ہے
۸- کل جسے صبح ازل سینے سے لپٹایا نہو کیا کوئی ایسی بھی صورت آج بت خانے میں ہے
۹ حسن لیلا سے کہ ہو جاتا ہے بیتاب نمود ورنہ دیوانی میں کچھ تھا اور نہ دیوانے میں ہے

یہ غزل اصغر گونڈوی صاحب نے ۵/دسمبر ۱۹۲۹ء کو 'رنگ کو شعلہ بنا کر کون پروانہ میں ہے' کے زیر عنوان نظم کی تھی۔ (ورق ۶ ب)۔ درج ذیل اشعار میں اسلام کا کس قدر درد بھرا ہوا ہے۔
(ورق /۷/ب)

۱۰- اسلام اب کدھر ہے ایمان اب کہاں ہے بکھری ہوئی ہیں زلفیں عارض عرق فشاں ہے

۱۱- کیا کیا ٹپک رہا ہے صیاد کی نظر میں　　نازک سی شاخ گل پر چھوٹا سا آشیاں ہے
۱۲- ہے خستگی کے دم سے رعنائی تخیل　　میری بہار رنگیں پروردۂ خزاں ہے
۱۳- کیا کیا تڑپ رہا تھا اس استاد کی خاطر　　سر جو رکھ دیا ہے میں ہوں نہ آستاں ہے

نیچے لکھے شعر اصغر گونڈوی مرحوم نے مسلم ہوسٹل الہ آباد یونی ورسٹی میں ۳۰/نومبر ۱۹۲۹ء میں پڑھے تھے۔

۱۴- کہا اس کو بہار غنچہ وگل تو نے کس دل سے　　چمن میں سرخی خون عنادل دیکھنے والے
۱۵- طریق عشق میں ہے قہر مقصد آشنا ہونا　　یہ کیا گمراہیاں کرتا ہے منزل دیکھنے والے

(ورق/۸/ب)

''رگ ہر تاک سے آتی ہے کھنچ کر میری قسمت کی'' یہ غزل اصغر صاحب نے مارچ ۱۹۳۱ء میں کہی تھی۔ اس غزل کے دو شعر غیر مطبوعہ اس طرح ہیں:

۱۶- یہ سب نیرنگیاں ہیں آپ کی چشم عنایت کی　　کہ دن راحت کے دیکھے ہیں تو راتیں بھی مصیبت کی
۱۷- وہی بیتابیاں جانے وہی یہ خستگی سمجھے　　کہ جس نے آب وگل میں شورشیں بھر دیں محبت کی

(ورق/۱۰/ب)

''لطف جب ہے اپنی دنیا آپ پیدا کیجیے'' کے زیر عنوان غزل کے درج ذیل اشعار شائع نہیں ہوئے ہیں:

۱۸- اپنی خلوت سے مجھے کیوں دور اتنا کیجیے　　آپ رسوا ہوجیے مجھ کو بھی رسوا کیجیے
۱۹- مجھ کو رہنے دیجیے یونہی خراب چشم مست　　بوالہوس کو مبتلائے جام و مینا کیجیے
۲۰- زندگی رندی و مستی میں گذرتی ہو تمام　　جب کوئی پوچھے تو عذر زہد و تقویٰ کیجیے

(ورق/۱۲/الف ب)

یہ غزل 'جہاں میں چشم مہ ومہر باز رہنے دے' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی لیکن اس میں درج ذیل اشعار نہیں چھپے تھے۔ یہ غزل اصغر صاحب نے ۱۷/اگست ۱۹۳۱ء میں لکھی تھی۔ اس کے پانچ شعر یہ ہیں:

۲۱- حرام بادہ کشی، فسق ہے نظر بازی　　مگر وہ نرگس رسوا جو باز رہنے دے

۲۲- مے طہور سہی شاہد ایک حور سہی یہ مشغلہ بھی بحد جواز رہنے دے

۲۳-پڑا ہوا ہوں الگ گوشۂ چمن میں نڈھال نہ چھیڑ اب مجھے اے سرو ناز رہنے دے

۲۴- جگا کے حس کو اب اور فتنہ زا نہ بنا نگاہ مست اٹھا خواب ناز رہنے دے

۲۵- پھر آ چلیں وہی سرشاریاں جوانی کی کھلا ہوا یوں ہی آغوش ناز رہنے دے

(ورق ۱۴/الف،ب)

اصغر صاحب کی غزل ''یہ نظارہ ہے یا ذوق نظر برباد ہوتا ہے'' کا یہ شعر غیر مطبوعہ ہے:

۲۶-قفس کی تیلیوں پر شاخ گل کا رنگ ہے اب تک چمن سے چھٹنے والے کو چمن تو یاد ہوتا ہے

(ورق ۱۶/الف)

''کون ذرہ ہے کہ سرشار محبت میں نہیں'' کے نام سے شائع ہوئی غزل میں درج ذیل دو شعر نہیں ہیں:

۲۷-یہ میری جاں ہے اور جاں سے بیزار ہوں میں اب مجھے کوئی مزہ تیری محبت میں نہیں

۲۸- چشمۂ مخمور سے اک جام ابھی اور مجھے صبح اٹھنے کی ہوس مجھ کو قیامت میں نہیں

(ورق ۱۷/الف)

اصغر صاحب نے ۱۹۳۰ء میں 'کعبہ و میخانہ ہیں دونوں خدا کے سامنے' زیر نظر غزل مشاعرہ فیض آباد میں سنائی تھی۔ جس کا یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔

۲۹-ایک شعلے کی لپک ہے اک لہو کی دھار ہے کون جائے مطرب آفت نوا کے سامنے

(ورق ۱۸/ب)

اسی طرح 'حسن پر حسن تبسم صبح خندان بہار' نامی غزل کے چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ 'جوش' ہے جبکہ قلمی دیوان میں 'موج' ہے۔

غزل 'نیاز رکھ کے بھی نیاز رہنے دے' کے آخری مصرعے میں جملہ 'نیاز چاہئے تھا' لیکن بعد میں اصغر صاحب نے اس مصرعے کی اصلاح کی اور پھر مصرعہ یوں کہا 'نیاز رکھ کے بھی عرض نیاز رہنے دے'۔

''کچھ فتنے اٹھے حسن سے کچھ حسن نظر سے'' کے زیر عنوان غزل اصغر گونڈوی مرحوم نے

اکتوبر ۱۹۳۱ء میں کہی تھی۔ جبکہ مطبوعہ نسخے میں ۱۹۳۰ء لکھا ہے۔ (قلمی دیوان اصغر، ورق ۴/الف)

متفرقات: متفرقات کے عنوان سے جناب اصغر گونڈوی کے تقریباً آٹھ اشعار ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔ یہ اشعار اصغر صاحب نے فروری ۱۹۳۲ء میں کہے تھے۔ ملاحظہ ہو قلمی دیوان از اصغر گونڈویؒ ورق ۱۷/ب کے یہ اشعار۔

۳۰- کھلی ہیں لالہ زار میں بتان گلعذار میں حقیقتیں سما سکیں نہ عقل پختہ کار میں

۳۱- زمانہ ہے شباب کا پتہ نہیں حجاب کا قبائے غنچہ خود بخود مسک گئی بہار میں

۳۲- جو شاخ گل سے پھوٹ کر فریب رنگ و بو بنا یہ کون حسن مضطرب ہے پردۂ بہار میں

۳۳- حجاب ایسا کہ چشم جبرئیل اس کی نہ محرم ہو نمود ایسی کہ ذرہ ذرہ سے رسوائے عالم ہو

۳۴- فدا ہو روح مستوں کی تصدق تم پہ پیمانہ شراب حسن ہو رنگینیٔ مینائے عالم ہو

۳۵- بجھ گئی کل جو سر بزم تھی شمع نہ جلی شمع تو آج بھی سینہ میں ہے پروانو لیکن

(ورق ۱۷/ب قلم زد از شاعر)

اس قلمی دیوان میں اصغر صاحب کے تقریباً ۳۵ شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ اس دیوان سے تاریخ و سنہ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصغر صاحب نے کون سی غزل کب اور کہاں پڑھی۔ اصغر صاحب شاعر تو تھے ہی اسی کے ساتھ پایہ کے ادیب اور تاریخ نویس بھی تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اقبال احمد خاں اپنی کتاب 'اصغر گونڈوی......احوال و افکار' صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں:

> ''بیشتر لوگ اصغر کو صرف شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اصغر ایک بلند پایہ نثر نگار اور ادیب بھی تھے۔ انہوں نے اپنی کم و بیش تیس (۳۰) سالہ زندگی میں ''نشاط روح'' اور ''سرود زندگی'' کے علاوہ نثر میں بعض بڑی پر مغز اور فکر انگیز تنقیدی و ادبی تحریریں چھوڑی ہیں''۔

۱- اردو شاعری کی ذہنی تاریخ (سال تصنیف ۱۹۲۸ تا ۱۹۳۳ء) غیر مطبوعہ۔ ۲- نفسیاتی تاریخ اردو ادب۔ ۳- تحفہ لندن ۱۹۲۸ء۔ ۴- تحفہ جاپان ۱۹۲۹ء۔ ۵- تحفہ مصر و حبش ۱۹۲۹ء۔ ۶- تحفہ آسٹریلیا۔ ۷- تحفہ فرانس۔ ۸- تحفہ چین۔ ۹- تحفہ جرمنی ۱۹۳۳ء۔ ۱۰- تحفہ امریکہ۔ ۱۱- گلزار نسیم (ترتیب شدہ)۔ ۱۲- دیوان مظہر جان جاناں (غیر مطبوعہ)

وہ مترجم و مرتب کی حیثیت سے بھی کم معروف ہیں حالانکہ انہوں نے کئی کتابوں کی تدوین اور ترجمہ کیا۔ جیسے دیوان گلزار نسیم ۱۹۳۰ء، دیوان مظہر جان جاناں، ہندوستان کا قدیم تمدن ترجمہ ہندوستان کی پرانی سبھیتا (مطبوعہ ۱۹۳۱ء الہ آباد)۔

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا　　اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے

مآخذ

۱- سرود زندگی مطبوعہ ۱۹۳۵ء طبع اول۔

۲- کلیات اصغر از کرشن کانت ۲۰۰۴ء۔

۳- قلمی دیوان اصغر از اصغر گونڈوی (۱۸/اوراق=۳۶ صفحات) در ملک جناب پدرم۔

۴- وفیات مشاہیر اردو از محمد بشارت علی خاں فروغ۔

۵- اصغر گونڈوی......احوال و افکار از ڈاکٹر محمد اقبال احمد خاں، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، نومبر ۱۹۹۴ء۔

اخبار علمیہ

''اسم محمدؐ کی مقبولیت''

برطانیہ کے ایک سرکاری شماریاتی ادارہ کے حوالہ سے العربیہ ڈاٹ نٹ نے خبر شائع کی ہے کہ لندن اور ویلز میں سب سے زیادہ رکھا جانے والا نام ''محمدؐ'' ہے، گذشتہ ایک سال کے دوران لندن شہر میں کل ۲۸ ہزار بچے پیدا ہوئے جس میں سات ہزار ۳۲ بچے محمد سے موسوم ہوئے، مقبول ترین ناموں میں بالترتیب ''میری''، ''اولیور'' اور جیک ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ باقاعدہ فہرست میں دس مقبول ترین ناموں میں اسم محمد کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ چونکہ محمد کی اسپیلنگ میں فرق ہے مثلاً Muhammad, Muhamad, Muhammad تین طرح سے لکھا جاتا ہے، اس لیے سرکاری ضوابط کے مطابق اس کو ایک نام نہیں کہا جا سکتا۔ (العربیہ ڈاٹ نٹ)

''ڈولفن کی یادداشت''

''پروسیڈنگ آف دی رائل سوسائٹی'' کے حوالہ سے ڈالفن کی یادداشت کے متعلق بی بی سی اردو ڈاٹ کام نے یہ خبر دی ہے کہ جانوروں میں ڈولفن کی یادداشت سب سے طویل ہوتی ہے۔ اب تک یہ خوبی ہاتھی کے لیے خاص تھی مگر نئی تحقیق کے مطابق ہاتھی کے سر سے یہ تاج فضیلت ڈولفن نے چھین لیا ہے، امریکی محققین کا کہنا ہے کہ بیس برس تک ایک دوسرے سے الگ رہنے کے باوجود یہ اپنے قدیم ساتھیوں کی مخصوص سیٹی دہراتی ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے امریکہ وغیرہ کے چھ مختلف چڑیا گھروں اور ایکویریم میں موجود چھپن ڈولفنوں کے باہمی تعلقات پر تحقیق کی ہے، انہوں نے پانی کے اندر لگے اسپیکرز پر ان ڈولفنوں کی آوازیں نشر کیں جن کے ساتھ یہ ماضی میں رہ چکی تھیں تو ان مانوس آوازوں کے ساتھ وہ دیر تک رہیں اور بعض غیر مانوس آوازوں کو نظر انداز کر دیا، مانوس آوازوں کے ساتھ ان کے دیر تک رہنے سے سائنس دانوں نے ان کی یادداشت کی طوالت کا اندازہ کیا ہے اور نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انسانوں کے بعد ڈولفن کی یادداشت سب سے اچھی ہے۔ (بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

''حلال گوگلنگ''

انٹرنیٹ پر غیر اخلاقی اور فحش مواد کی موجودگی و دستیابی نے عام لوگوں بالخصوص نئی نسلوں کے ذہنوں کو جس طرح برباد کیا ہے اس کا نتیجہ سامنے ہے۔ ایسے میں بلاشبہ ضرورت ہے کہ ایسے سرچ انجن

متعارف کرائے جائیں جو بامقصد اور مثبت ہوں، اسی احساس کے تحت حال ہی میں ''حلال گوگلنگ'' کے نام سے ایک ایسا سرچ انجن متعارف کرایا گیا ہے جو ان تمام موضوعات، الفاظ اور سرگرمیوں کو روکنے میں مدد دیتا ہے جو پچھلے ایک دہے سے اخلاقی اور سماجی بے راہ روی اور خاندانی نظام اور رشتوں کے تقدس کی پامالی کا ذریعہ بن رہے تھے، متعدد صارفین نے اس کو استعمال کرکے بتایا کہ اس میں کچھ ایسے کلیدی الفاظ ترتیب دیے گئے ہیں جو غیر اخلاقی مواد پر مشتمل معلومات کو مسدود کردیتے ہیں اور اس کی جگہ لکھے گئے لفظوں کے معانی و اصطلاحات کی فہرست اور مذہبی و اخلاقی تصورات و تعلیمات پر مبنی تحقیقات کا ذخیرہ کھول دیتے ہیں۔ ممنوعہ سائٹس کی تلاش بھی اس انجن سے نہیں کی جاسکتی۔ یہ خبر ۲۲/جولائی ۱۳ء کے اخبار ''منصف'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

''ماحولیاتی تبدیلیوں سے تشدد کا تعلق''

سائنس دانوں نے دنیا بھر میں کیے گئے سینکڑوں برسوں پر محیط ۶۰ ڈیٹابیس کے مطالعہ کے بعد اپنی نئی تحقیق میں کہا ہے کہ درجۂ حرارت میں معمولی تبدیلی یا بارش بھی قتل وخوں ریزی، جنسی تشدد اور جنگی صورت حال میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلاً بغاوت میں شرکت یا عدم شرکت کے فیصلہ پر معاشی حالات کے اثر انداز ہونے کے کافی ثبوت انہیں ملے، ہندوستان میں خشک سالی کے دوران گھریلو تشدد اور امریکہ میں سخت گرمی کے دوران دست درازیوں اور قتل میں اضافہ کو بھی اس تحقیق میں بہ طور ثبوت پیش کیا گیا ہے، ان کے اندازہ کے مطابق عالمی سطح پر ۲ سینٹی گریڈ درجۂ حرارت بڑھنے سے ذاتی نوعیت کے جرائم میں ۱۵ فیصد اور بعض خطوں میں گروہوں کے تصادم میں ۵۰ فیصد اضافہ کا امکان ہے۔ بعض سائنس دانوں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ وہ ماحولیات اور تشدد کے درمیان گہرے ربط کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ افریقہ میں خانہ جنگی کی وجہ ماحولیاتی تبدیلی نہیں تھی۔ (یہ تحقیق رسالہ سائنس کے حوالہ سے بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر موجود ہے)

''۳۶ ملین شوگر کے مریض''

اتحاد الدولی لمرض السکری نامی تنظیم کے اعداد وشمار کے مطابق شمال افریقہ اور شرق اوسط کے علاقوں میں ۳۶ ملین سے زیادہ شوگر کے مریض ہیں اور ماہرین کا بیان ہے کہ ۲۰۳۰ء تک اس تعداد میں

دوگنا اضافہ ہوسکتا ہے۔خلیجی ممالک اس مرض کی زد میں سب سے زیادہ ہیں،محققین کے بیان کے مطابق اس کی وجہ پٹرول کی دریافت کے بعد وہاں پیدا ہونے والی عیش پسندی،آبادی کی زیادتی اور تمدنی خوش حالی ہے۔تنظیم کا اندازہ ہے کہ ابھی عراق کے ۶۹% جزائر وایران کے ۵۰%اور تونس کے ۸۶%افراد کی تشخیص نہیں ہوئی ہے، یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ شرق اوسط اور شمال افریقہ کے شہری علاقوں کے بالمقابل دیہی علاقوں میں شوگر کے مریض کم ہیں۔اس خطرناک بیماری کے پھیلاؤ پر قابو پانے کے لیے اتحاد الدولی لمرض السکری نے حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس موضوع پر علمی مباحث کرائے جائیں،ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم کیے جائیں جو مستقل اس سلسلہ میں بیداری پیدا کریں اور جس طرح اٹلی فرانس،امریکہ اور ڈنمارک اور پھر الجزائر نے یہ مہم شروع کی ہے کہ شوگر کے مریضوں کی فائلیں تیار کی جائیں اور ان کو اسپتالوں اور دواخانوں میں بھیج دیا جائے،تا کہ اس قسم کے مریضوں کا ہر جگہ اسی فائل کے مطابق علاج کیا جاسکے،اسی طریقہ کار کو اپنے ملک میں بھی رواج دیا جائے تا کہ اس موذی مرض پر قابو پایا جاسکے۔(اخبار العالم،۱۷/اگست ۱۳ء،شمارہ ۱۴،عدد ۴)

''نطق کی صلاحیت میں کمی کا سبب''

ٹی وی دیکھنے والے عام افراد بالخصوص بچوں پر اس کے مضر اثرات پر بڑے بڑے مباحث ماہرین کے درمیان ہوتے رہتے ہیں،متعدد ماہرین نے دیر تک ٹی وی دیکھنے والے بالخصوص نوعمر لڑکوں میں اس سے قبل بینائی میں کمزوری اور باتوں پر دھیان نہ دینے کے اثرات کا انکشاف کیا تھا،اب ایک نئے مطالعہ میں قوت گویائی پر اس کے مضر اثرات کا پتہ چلا ہے۔مونٹریال یونیورسٹی کناڈا کے محققین نے دو یا ڈھائی برس کی عمر کے دو ہزار بچوں پر اپنی تحقیقی رپورٹ میں کہا ہے کہ ایک دن میں تین گھنٹوں سے زیادہ ٹی وی دیکھنے والے بچے بچیوں کو بولنے اور باتوں پر توجہ میں کمی اور حساب یعنی ریاضی سمجھنے میں مشکلات کا سامنا ہے،محققین نے والدین کو صلاح دی ہے کہ ٹی وی وغیرہ کے پاس دو برس کے اوپر کے بچوں کو دو گھنٹہ سے زیادہ بیٹھنے نہ دیں، ٹی وی اور ان کے درمیان کم از کم تین میٹر کی دوری ہونی چاہیے اور دوسری ایسی سرگرمیوں مثلاً ورزش اور پڑھائی وغیرہ کی جانب ان کی توجہ مبذول کریں جن سے ان کے ذہن ودماغ اور بدن کو طاقت ملے۔(اخبار العالم،۱۷/اگست ۱۳ء،شمارہ ۱۴،عدد ۴)

ک،ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

برہان پور کے سندھی اولیاء
مع تعلیقات

از سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری، تعلیقات مخدوم سلیم اللہ صدیقی،
متوسط تقطیع، قیمت درج نہیں، پتہ: سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سندھ، پاکستان۔

محمد اختر مسلم

غالباً ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء میں سندھ سے تعلق رکھنے والے علم کے حوالے سے عالمی شہرت کے حامل پیر علی محمد راشدی، پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر محمد عمر داود پوٹا اور جی۔ ایم۔ سید نے حکومت کو تجویز پیش کی کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو سندھ کی تاریخ۔ ثقافت سے متعلق تحقیقی مواد، اعلیٰ کتب، اسلاف کی نادر کتب کو شائع کرے۔ اور عوام کو آگاہی و شعور بخشے۔ ان حضرات کی کوششیں ثمر بار ہوئیں اور یوں سندھی ادبی بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس نے تاریخ، ثقافت اور بڑی اہم علمی کتب، سندھی اردو زبان میں شائع کی۔ پیر سید حسام الدین راشدی مرحوم کے ذوق تحقیق کے سبب بڑا علمی کام ہوا۔ ع　پیدا کہاں اب ایسے پراگندہ طبع لوگ۔

میرے عزیز ترین دوست محترم شمیم صاحب حیدرآباد سندھ گئے تو خصوصی طور پر میرے لیے سندھی ادبی بورڈ سے ایک کتاب خرید کر ارسال کی۔ ان کی محبت ونوازش کے لیے سراپا سپاس ہوں کتاب کا عنوان ہے "برہان پور کے سندھی اولیاء (مع تعلیقات)"۔ مذکورہ کتاب سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری کی تالیف ہے۔ مخدوم سلیم اللہ صدیقی نے تعلیقات لکھی ہیں۔ یہ کتاب سندھ سے تعلق رکھنے والے صوفیہ کے تذکرہ واحوال پر مشتمل ہے۔

تصوف (Mysticism) قریب قریب دنیا کی ہر قوم میں موجود ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی جامع تعریف (Precise Definition) نہیں ملتی۔ دیگر مذاہب کا احوال تو درکنار ہمارے

صوفیائے کرام کے ہاں بھی کوئی متفق علیہ Definition نہیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ بڑے پایہ کے صوفی گذرے ہیں اپنی معروف زمانہ اور تصوف پر استناد کا درجہ رکھنے والی کتاب کشف المحجوب میں تصوف اور صوفی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس اسم کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کیے گئے ہیں اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک اہل تصوف کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ برگزیدگی میں صف اول میں ہوتا ہے۔ ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ لفظ صفا سے مشتق ہے''۔

آگے مزید فرماتے ہیں:

''اس لفظ کی تحقیق کے سلسلے میں ہر شخص نے لطیف اشارات کیے ہیں لیکن لغوی اعتبار سے وہ سب حقیقی معنی سے دور ہیں، فی الواقع صفا (صفائی) ان سب میں زیادہ محبوب ہے اور اس کی ضد کدورت ہے...... چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو درست کرلیا اور طبیعت کی آفت سے بیزاری اختیار کرلی ہے اس لیے ان لوگوں کو صوفی کہتے ہیں''۔

ع شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ لفظ صفا سے مشتق نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے اسم نسبت صفوی ہوگا نہ کہ صوفی۔

یہاں مجھے تصوف پر مقالہ لکھنا مقصود نہیں۔ برسبیل تذکرہ چند گزارشات پیش کردی ہیں۔ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اختلاف کے باوجود صوفیہ سے عقیدت واحترام میرے دل میں قائم ہے۔ میں ان کے علم واخلاص کا منکر نہیں۔ لیکن میں یہ بات بھی دلیل کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات اہل حال ہیں ان کی کتب عوام کے لیے جن میں وہ علماء وفقہاء بھی شامل ہیں جو اہل ظاہر ہیں اور لفظوں کے ساتھ کھیلتے ہیں، ان کے لیے ہرگز ہرگز مفید نہیں بلکہ تشویش خاطر کا باعث بن سکتی ہیں۔

اس لیے ان کی کتب کی اشاعت اسی حلقے میں محدود رہنی چاہئے جو ان کو سمجھنے اور ان

سے بہرہ ور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ''برہان پور کے سندھی اولیاء'' کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۷ء، دوسرا ۱۹۸۷ء اور تیسرا ایڈیشن ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ کتاب کی مقبولیت ان اشاعتوں سے ظاہر ہے لیکن دوران مطالعہ اندازہ ہوا کہ اس میں زبان و بیان کے علاوہ کمپوزنگ کی غلطیاں کثرت سے ہیں اور افسوس صد افسوس جو اغلاط پہلے ایڈیشن میں تھے ان کی اصلاح کی جانب توجہ نہیں کی گئی اور وہ ہر ایڈیشن میں جوں کی توں تسلسل کے ساتھ نقل ہو رہے ہیں۔ املا کی غلطیوں پر توجہ نہیں دی گئی۔ کئی مقامات پر مناسب الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ ذیل میں کچھ گزارشات ہیں، نہ کہ باقاعدہ کوئی تنقیدی یا تجزیاتی مطالعہ، مثلاً صفحہ ۱۶ کے تیسرے پیرا ختم ہونے پر پہلی سطر کا آغاز یوں ہوتا ہے ''عام طرح کی کتابوں میں ......'' اس کے بجائے اسے یوں لکھا جانا چاہئے تھا۔ ''عام طور پر کتابوں میں ......کا ذکر ملتا ہے''۔ صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے ''حبیب اللہ سہوہانی'' جبکہ یہ املا کی غلطی ہے۔ مرے خیال کے مطابق ''سہوانی'' ہونا چاہئے تھا۔ صفحہ ۱۸ پر ''سندھالاجی'' لکھ کر انگریزی لفظ Sindhiology کا حلیہ بگاڑا گیا۔ کیا ''سندھیالوجی'' لکھنا غلط ہوتا!

صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے ''ابوالفضل اور ملا فیضی بھی آپ کی مریدی میں شامل تھے''۔ میرے خیال کے مطابق جملہ یوں ہونا چاہئے تھا ''ابوالفضل اور ملا فیضی کو بھی آپ سے بیعت کا شرف حاصل تھا''۔ صفحہ ۱۹ ''شیخ یوسف سندھی جو صورت اور معنی کا سیر کر چکے تھے......''۔ یہ جملہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ صفحہ ۱۹۔ پر ایک جملہ یوں شائع ہوا ہے۔ ''دو اہم باتوں کا منظر پر آنا لازم ہو گیا'' کاش یوں لکھا جاتا۔ ''دو اہم باتوں کا منظر عام پر آنا لازم ہو گیا''۔ صفحہ ۲۳۔ پر لکھا ہے۔ ''تصنیف کے ورق آخر پر کاتب جو خود کو غلامان شاہ عیسیٰ لکھ رہا ہے۔ یہی شعر قلم بند کیا ہے......''۔ ''غلامان'' کی بجائے یکے از غلامان شاہ عیسیٰ ہونا چاہئے۔ نیز ''یہی شعر یوں قلم بند'' کیا ہے......'' شائع ہونا چاہئے تھا۔ صفحہ ۲۵۔ پر لکھا ہے ''تذکرہ مشاہیر سندھ'' کا حواشیہ-'' یہاں حواشیہ کا استعمال غلط ہے جبکہ صحیح لفظ ''حواشی'' ہے۔ صفحہ ۲۶۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے برہان پور کو دیکھا تو بطور نذر و ارادت و خراج جو اشعار پیش کیے وہ صفحہ ۲۶ پر درج ہیں لیکن کیا ستم ظریفی ہے کہ آزاد بلگرامی مرحوم کے فارسی اشعار کا اردو مفہوم شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ یہ کوتاہی صرف اسی صفحہ پر نہیں بلکہ پوری کتاب میں فارسی اور عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی زحمت مولف نے

گوارا کی نہ ہی تعلیقات نگار نے یہ ذمہ داری پوری کی۔

تعلیقات نگار کے لیے لازم ہے کہ جہاں کہیں عبارت نامکمل ہو۔مفہوم واضح نہ ہو جملوں میں ابہام پایا جاتا ہو۔ان کی تشریح کرے۔فارسی اور عربی اشعار،عبارتوں خصوصاً قرآن حکیم کی مندرج آیات کا صحیح حوالہ اور ان کا اردو ترجمہ درج کرے تا کہ قاری، خاص طور پر عہد حاضر کے طلبہ کتاب کے سیاق وسباق کو حقیقی طور پر سمجھ سکیں۔کتاب کی ساری عبارت تا خیر لفظی کا نمونہ ہے۔مثلاً صفحہ ۲۷ پر پہلا جملہ یوں شروع ہوتا ہے ''مورخ معروف محمد قاسم فرشتہ نے راجے علی خان عادل شاہ فاروقی کے مدح میں ......''۔''مورخ معروف'' کی بجائے ''معروف مورخ'' اور ''عادل شاہ فاروق کے مدح میں'' کی بجائے ''عادل شاہ فاروق کی مدح ......'' لکھا جانا زیادہ مناسب ہوتا۔

ہر صفحہ پر نہیں تو تقریباً بہت سے مقامات پر املا کی غلطیاں ہیں۔صفحہ ۲۷ پر لفظ ''پیشین گوئی'' کو ''پیشنگوئی'' اور ''ان شاء اللہ'' کو ''انشاءالہ'' لکھا گیا ہے۔صفحہ ۲۷ کے آخری پیرا کا ایک جملہ ملاحظہ فرمایئے۔

''یہاں بانیان برہان پور فاروقی سلاطین کے بابت یہ ظاہر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ......'' اس کی بجائے اگر جملہ یوں لکھا جاتا تو مفہوم اور واضح ہو جاتا اور جملہ کا حسن اور نکھر جاتا۔''فاروقی سلاطین کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ......''۔

صفحہ ۲۷۔تحمید وتمہید کے زیر عنوان عبارت کا آغاز یوں ہوتا ہے۔''بعد حمد وسپاس بیقاس خالق ارض وسما خداوند جل وعلا درودنا محدود''۔یہ عبارت اغلاط سے پر ہے۔اس کی ذمہ داری مولف کے سر نہیں مڑھی جاسکتی بلکہ اغلاط کا ذمہ دار صد فیصد کمپوزر ہے اور وہ شخص ہے اگر کوئی تھا، جس نے حروف خوانی (Proof reading) کی ذمہ داری انجام دی۔صحیح عبارت یوں ہے۔ بعد حمد وسپاس بے قیاس ارض وسما خداوند جل وعلا، درود لا محدود......'' ہے۔

صفحہ ۲۸۔پر اسی قسم کا نمونہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔صفحہ ۳۲۔پر لکھا ہے ''سلطنت کو سنبھالنے کی صلاحیتوں سے بیگانہ تھا......''۔یہ بات یوں بھی کہی جاسکتی تھی کہ ''سلطنت کو سنبھالنے کی صلاحیتوں سے عاری تھا۔اسی صفحہ پر لکھا ہے ''ہزیمت پائی'' جبکہ ہزیمت اٹھائی ......'' لکھا جانا

چاہئے تھا۔ صفحہ ۳۴۔ پر لکھا ہے ''معصومی میں ضمناً صداقت ملتی ہے''۔ یہی بات اس طرح بھی لکھی جاسکتی تھی کہ ''تاریخ معصومی سے بھی اس واقع کی تصدیق ہوتی ہے......''۔ صفحہ ۳۶۔ پر لکھا ہے ''اپنی وطنی نسبت سے ٹھٹھائی کہلائے''۔ یا ٹھٹھوی! درست کیا ہے؟ صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے ''سنگلاخ کتابوں کا درس دیا کرتے''۔ سنگلاخ چٹانیں تو ہوتی ہیں کتابیں نہیں۔ مشکل یا ثقیل کا لفظ استعمال کیا جاسکتا تھا۔ صفحہ ۱۲۶۔ پر لکھا ہے ''ایک ایک شعر کی لذت سے تواجد اور استغراق کی حالت میں آجاتے......''۔ یہ بات یوں بھی لکھی جاسکتی کہ ''آپ پر وجد و استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی......''۔

صفحہ ۱۲۷۔ پر لکھا ''آپ کی مسیحائی کی برکت سے علالت کا ضعف قطعاً جاتا رہا''۔ یہاں لفظ ضعف کے بعد لفظ ''بھی'' کا اضافہ لازمی تھا۔ ۱۲۷۔ پر جو اشعار نقل کیے گئے ان میں چوتھے شعر کا مصرع ثانی ہی غلط نقل ہوا ہے۔ ''زبانِ فُطن حیرت سے شکستہ ہوکر کیا کہئے''۔ صحیح مصرع یوں ہے ''زبان نطق حیرت سے شکستہ ہو تو کیا کہئے''۔ صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے ''کچھ عرصے بعد محدث کو خیال آیا کہ قرآن مجید میں خمر کا لفظ متعدد جگہ موجود ہے۔ حدیث بھی اس لفظ سے خالی نہیں......''۔

اس پر کیا تبصرہ کیا جائے کہ حضرت محدث کو معلوم ہی نہیں تھا کہ قرآن حکیم میں لفظ ''خمر'' موجود ہے اور ایک مقام پر نہیں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت کی قرآن فہمی کا معیار کیا تھا اور حدیث کا علم کتنا عمیق تھا۔

صفحہ ۱۵۲۔ سورۃ یٰسین نمبر ۳۶ کی آیت نمبر ۵۸ کا املا غلط ہے۔ اسی طرح سورۃ لقمان نمبر ۳۱ آیت نمبر ۶ کا املا بھی غلط ہے۔ دونوں سورتوں کا حوالہ نقل کیا گیا نہ آیات کا حوالہ اور نہ ہی ترجمہ نقل کرنے کی زحمت گوارا کی گئی۔ صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ پر طویل سندھی زبان میں لکھا ایک اقتباس نقل ہوا ہے مگر ستم ملاحظہ فرمایئے کہ سندھی ادبی بورڈ نے اردو ترجمہ شائع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ صفحہ ۱۷۸۔ میر حسن علی خان تالپر حیدرآبادی کا خط جو فارسی زبان میں ہے، نقل ہوا ہے مگر اسی تساہل پسندی کے رویہ کے سبب اس خط کا بھی اردو ترجمہ نہیں شائع کیا گیا۔ یہ روش ایک دو مقام پر موقوف نہیں پوری کتاب میں سندھی، عربی حتی کہ انگریزی عبارات کا اردو ترجمہ شائع نہیں کیا گیا۔ صفحہ ۱۵۲۔ سماع کے موضوع پر باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس موضوع پر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، مشہور فقیہ امام شافعیؒ اور طبقہ

صوفیہ کی بڑی بڑی شخصیات کی آراء نقل کر کے قاری کو عجب مخمصہ میں مبتلا کر دیا۔ع ''شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا''

یہ ساری بحث ہندو مذہب کے عقیدہ ''نیتی نیتی''، یعنی خدا یہ بھی نہیں خدا یہ بھی نہیں، کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ بھی لکھا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب تلاوت زبور لحنِ داودی میں فرماتے تھے تو آپؑ کی مجلس میں بعض سننے والے جان دینے پر مجبور ہو جاتے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کے لیے حجازی اور مصری قراءتیں مشہور ہیں اور مقبول بھی ان میں سے ایک راگ بھیروں اور دوسری راگ بھیروں میں ہے۔ ذوق جمالیات سے محروم بقول مولانا روم خشک تار وخشک چوب وخشک نے۔قسم کے لوگ لفظوں سے کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ فیض احمد فیض مرحوم یاد آگئے۔ ؎

فقیہ شہر سے مَے کا جواب کیا پوچھیں
کہ چاندنی کو بھی حضرت حرام کہتے ہیں

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی کتاب غبار خاطر ان کے تبحر علمی کا زندہ ثبوت ہے۔ اس مجموعہ میں شامل تمام تر خطوط نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے نام لکھے گئے۔ ۱۶/ستمبر۴۳ء کو نواب صدر یار جنگ کے نام لکھا گیا خط فنِ موسیقی کے اسرار و رموز پر بہترین تحریر ہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''آپ سے ایک بات کہوں۔ میں نے بارہا اپنی طبیعت کو ٹٹولا ہے۔ میں زندگی کی احتیاجوں میں سے ہر چیز کے بغیر خوش رہ سکتا ہوں۔ لیکن موسیقی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آوازِ خوش مرے لیے زندگی کا سہارا، دماغی کاوشوں کا مداوا اور جسم و دل کی ساری بیماریوں کا علاج ہے۔

روئے نکو معالجۂ عمر کو تہ است
ایں نسخہ از بیاز مسیحا نوشتہ اند

غبار خاطر، ص۲۷۹

خط کا اختتام یوں ہوتا ہے کہ

اس بات کی عام طور پر شہرت ہوگئی کہ اسلام کا دینی مزاج فنونِ لطیفہ کے خلاف ہے۔ اور موسیقی محرکات شرعیہ میں داخل ہے۔ حالانکہ اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ فقہاء نے سد وسائل کے خیال سے اس بارے میں تشدد کیا، اور یہ تشدد بھی باب قضاء سے تھا نہ کہ باب تشریع سے قضا کا میدان نہایت وسیع ہے۔ ہر چیز سوء استعمال سے کسی مفسد کا وسیلہ بن جائے۔ قضاوقدر رد کی جاسکتی ہے''۔ غبار خاطر صفحہ نمبر ۳۰۷، مطبوعہ انار کلی لاہور

جناب جعفر شاہ پھلواروی کی تالیف لطیف ''اسلام اور موسیقی'' کے مطالعہ سے اس موضوع کے حوالے سے کم علمی کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ابہام والتباس دور ہوجائے گا۔

صفحہ ۱۹۲۔ یہ قرآن حکیم کی آیت نقل کردی گئی ہے مگر سورۃ کا نام لکھنے کی زحمت گوارا کی گئی نہ آیت کا حوالہ نمبر۔ سورۃ توبہ نمبر ۹ کی آیت نمبر ۲۹ سے جس کا املا بھی غلط ہے۔ اسی طرح صفحہ ۳۴۳ پر قرآن حکیم کی سورۃ الذاریات نمبر ۵۱ کی آیت نمبر ۲۱ کا املا بھی غلط ہے۔ صفحہ ۳۴۱۔ ہندی کا ایک شعر نقل کیا گیا۔ اس کا بھی املا غلط ہے بلکہ شعر ہی غلط نقل ہوا ہے

''پیم کہانی کہت ہون سنو سکھی تم آئے
پی کو ڈھونڈن گئی سو آئی آپ گنوائی''

اس شعر کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ ''میں عشق کی کہانی کہتا ہوں دوستو آؤ اور سنو میں دوست کی جستجو کے لیے گیا تھا۔ خود کو بھی گم کر آیا''۔

''جستجو کے لیے گیا'' کی بجائے لکھنا چاہئے تھا کہ دوست کی جستجو میں نکل پڑا، جنگل جنگل کی خاک چھانی دوست تو کیا ملتا میں خود ہی گم ہوگئی ......'' ہندی شاعری یا خصوصاً دوہوں میں تانیث کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ''میں تو پریم دیوانی میرا درد نہ جانے کوئی ......'' ستم ملاحظہ فرمائے کہ شعر کے مفہوم کا بیڑا ہی غرق کردیا۔

عشق حقیقی ومجازی کی بحث چھیڑ دی ہر زبان کے اپنے پیرائے اور اس کے الفاظ کے معنی ومفاہیم الگ ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ ''عشق''، ''عاشق'' کبھی اور کہیں بھی اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں کسی مقام پر لفظ ''عشق'' استعمال ہی نہیں ہوا۔ صاحب تالیف، سید محمد مطیع اللہ راشدی برہان پوری خود اعتراف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ عجیب قصہ

ہے جو عقل وخرد سے بالاتر ہے اور دنیا بھی اس کے متعلق ساکت ہے۔ صاحب نزہۃ الارواح شاکی ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے عشق پر کوئی درس نہیں دیا اور حضرت امام شافعیؒ کی بھی اس ضمن میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ عشق کے بارے میں کوئی خبر نہیں دیتے اور حضرت امام مالکؒ بھی اس سے آگاہ نہیں۔ (غور فرمایئے حضرت راشدی، امام مالکؒ کے بارے میں کیا فرما گئے ''امام مالکؒ بھی اس سے آگاہ نہیں'')۔

صفحہ ۳۴۱۔ قرآن حکیم کی سورۃ ''ق'' نمبر ۵۰ آیت نمبر ۱۶ نقل کر کے نظریہ تصوف کے تناظر میں عجب نوع کا استدلال کیا ہے لیکن حسب معمول آیت کا حوالہ نقل کیا نہ ترجمہ، قرآن حکیم سورۃ ق نمبر ۵۰ کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا: ''......**نحن اقرب اليه من حبل الوريد**'' (ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)۔

آپ مذکورہ بالا آیت کا ایک بار نہیں بلکہ کئی بار سیاق وسباق کی روشنی میں مطالعہ کریں۔ آپ پر حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا! اور سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے ایک اعرابی سے اپنے درد کی دوا کے بارے میں پوچھا تو اعرابی نے قرآن حکیم کی مذکورہ آیت سے رجوع کرتے ہوئے اس کی جو توجیہ کی وہ سراسر قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔

صفحہ ۳۴۲: سید محمد مطیع اللہ راشدی برہان پوری نے ''برہان پور کے سندھی اولیا'' کے زیر عنوان کتاب لکھی چونکہ وہ خود صوفی تھے اور صوفیہ کے تذکرے میں تصوف کی اصطلاحات ہی پر انحصار کیا۔ مگر افسوس کہ سندھی ادبی بورڈ اور تعلیقات لکھنے والے صاحب نے متن کی صحت پر توجہ نہ دی۔ صفحہ ۳۴۲ پر قرآن حکیم کی سورۃ الذاریات نمبر ۱۵ آیت نمبر ۲۱ کی غلط نقل ہوئی۔ وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ کے آغاز میں ''يَحُكُمُ'' کا اضافہ کیا ہے۔ کیا یہ جسارت تحریف کے زمرے میں نہیں آتی۔

کتاب میں مختلف صوفی حضرات نے قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر وتشریح کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کی سند نہ عربی کی کسی مستند لغت سے ملتی ہے نہ صحابہ کبارؓ کے اقوال سے ان تشریحات

کی تصدیق ہوتی ہے اور نہ ہی مفسرین قدیم و جدید کی تفاسیر سے بھی صوفیوں کی تشریحات کو استناد کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ ۳۶۱ پر درج آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

''تفسیر عباسی کے ایک درس کا واقعہ فرخی نے درج کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک روز تفسیر عباسی کا درس جاری تھا۔ خواندہ نے جب یہ آیت پڑھی وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ اور اس کے یہ معنی جو صاحب تفسیر نے لکھے تھے کہ مراد اس شجر سے شجر علم ہے تو حاضرین و فضلاء جو توجہ سے سن رہے تھے مستعجب ہوئے اور کوئی اس نکتہ کو حل نہ کر سکا اور سب حضرت مسیح الاولیاء کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ملا عصام بھی اس مشکل کو حل نہ کر سکے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی روح نے عروج پا کر آدمؑ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ صاحب تفسیر عباسی نے اس جگہ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ''۔ (القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ البقرۃ نمبر۲ آیت نمبر ۳۵) ''شجر علم'' کہا ہے اور یہ نکتہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ آپ بیان فرمائیے حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابوالبشرؑ نے فرمایا جو کچھ تفسیر عباسی کے مولف نے لکھا ہے درست ہے......''۔ صفحہ ۳۶۲۔ اس مقام پر لفظ ''شجر'' پر عربی کی مستند لغات کی روشنی میں بحث مقصود نہیں کیونکہ اس کی تشریح طویل بھی ہے اور تفصیل طلب بھی ع سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لیے۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ ''اس شجر'' کے قریب مت جانا، مگر تفسیر عباسی نے شجر کو شجر علم بنا دیا گویا علم سے دور رہنا۔ اس موقع پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ع ''خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں''۔ قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر علم اور جہل کے فرق کو مختلف مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

۱- ان سے پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ۲- ایک آدمی تو ہو اندھا بہرا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ سورۃ ھود نمبر ۱۱ آیت نمبر ۲۵ ''کہو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوتا ہے، نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں، نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے......'' سورۃ فاطر نمبر ۳۵ آیت ۱۹ تا ۲۱۔

قرآن حکیم نے ''شجرۃ'' لفظ بڑے وسیع معنی میں استعمال کیا لیکن تفسیر عباسی نے شجرۃ

کو علم کا متضاد قرار دے کر جہل کی وکالت کی۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں انسانوں پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

۱-وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔سورۃ البقرۃ نمبر۲ آیت ۳۱، اللہ تعالیٰ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے (علم عطا کیا)۔ ۲-اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔سورۃ الرحمٰن نمبر ۵۵ آیت ۱، اللہ مہربان نے اس قرآن کی تعلیم دی۔ ۳-خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔سورۃ الرحمٰن نمبر ۵۵ آیت ۳ و ۴، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس نے ہی بولنا سکھایا۔ ۴-الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔سورۃ العلق نمبر ۹۶ آیت ۴، جس نے (اللہ نے) قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ ۵-عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۔سورۃ العلق نمبر ۹۶ آیت ۵، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

آخر میں صفحہ نمبر ۱۳۵ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جہاں مہمل عبارت کے نمونے ملتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ کاش شق وار عبارت کی تصحیح کچھ یوں ہو جاتی:

۳-گلزار ابرار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالستار مرحوم کی ولادت ایلیچ پور میں نہیں ہوئی جبکہ سندھ کی تاریخ کے دیگر بنیادی ماخذوں اور قلمی نسخوں میں ان کی ولادت پٹ میں ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ ۴- مقام پیدائش اور ملا اسماعیل سے درس قرآن کا حصول سندھ کے علاوہ اور کہیں ممکن نہیں کہ تاریخی ماخذ میں کسی اور مقام کا ذکر نہیں ملتا۔ ۵- یہ بنیادی کلیہ یا اصول ہے کہ کسی نومولود کے نام اور القابات کے بعد ہی اس کے مقام ولادت کا ذکر ہوتا ہے چونکہ حضرت مسیح کے نام کے ساتھ لفظ ''سندھی'' جڑا ہوا ہے تو یہ کہنا صد فیصد درست ہے کہ ان کی ولادت سندھ میں ہوئی۔ ۶- حضرت مسیح الاولیاء کی ۹۹۸ھ میں برہان پور میں مستقل اقامت کے باوجود، ان کا ربط وضبط سندھ کے علماء سے قائم رہا۔ ۷- ان کی درگاہ پر سندھی تاجروں کی آمد ورفت، اہل سندھ کے ساتھ گہرے روابط و مراسم کا ثبوت ہے۔

سندھی، فارسی اشعار کا اردو مفہوم درج نہیں کیا گیا۔ مخدوم سلیم اللہ صدیقی صاحب نے تعلیقات کا اہتمام کیا مگر نامکمل، سندھی ادبی بورڈ پروف ریڈنگ کی اہمیت سے ضرور واقف ہوگا، یہ ذمہ داری ایسے فرد کو سپرد کی جانی چاہئے جسے سندھی، عربی، فارسی، اردو کا شعور ہو۔ اور وہ جملوں کے درو بست کو بھی سمجھتا ہو۔

مجھے اس کے اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کتاب محترم پیر حسام الدین راشدیؒ کی زندگی میں شائع ہوئی تھی یا ان کی وفات کے بعد، وہ عالم یگانہ روزگار شخصیت، نامور مورخ، سندھی ادبی بورڈ کی کتاب کی موجودہ طباعت دیکھ کر ضرور محاسبہ کرتی، اب کون کرے گا؟

ع اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر۔

''برہان پور کے سندھی اولیاء'' سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری کی تالیف کی اشاعت پر سندھی بورڈ نے قدرے بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان اختلافات اہل علم ہی نہیں بلکہ عامۃ الناس سے بھی مخفی نہیں۔ ماضی میں مناظروں اور مجادلوں کے نتیجے میں جس قسم کی نفرت و تقسیم نے جنم لیا۔ اسی بربادی کا احساس کرتے ہوئے علماء نے کچھ اصول وضوابط مرتب کیے کہ آیندہ متنازع اور اختلافی مسائل کو موضوع بحث بنایا جائے گا نہ ہی تکفیر سازی کے مشغلے کو فروغ دیا جائے گا۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ایک معروف کتاب بعنوان ''دبستان مذاہب'' جس کے مصنف کیخسرو اسفندیار ہیں کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ کتاب کا صوری حسن قابل دید ہے۔ کتاب مذکور میں کچھ باتیں متنازع تھی۔ ادارہ نے ان کو حذف کر دیا۔ یہ ادارہ کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کے علم، فہم اور بصیرت کا کارنامہ ہے۔

لیکن ''برہان پور کے سندھی اولیاء'' کے صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۹۔ اہل تشیع اور اہل تسنن کی ایک محفل کا ذکر کیا ہے جس میں خلفائے راشدینؓ کو تنقید کا ہدف بنایا گیا ہے اور اس بحث کا آغاز میر کرم علی نے کیا جو شیعت کی طرف مائل تھے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے ٹوکا تو، میر صاحب بہت برہم ہوئے اور مجلس برخواست ہوگئی۔ میر کرم علی خان شاعر بھی تھے انہوں نے ایک غزل فارسی میں لکھ کر مخدوم عبدالواحد سیوستانی کو بھجوائی اور اپنے عقائد کا بھر پور اظہار کیا جواب آن غزل کے طور پر مخدوم عبدالواحد سیوستانی نے بھی فارسی میں ایک غزل لکھ کر میر کرم علی کی نذر کی۔ کتاب کا یہ حصہ بہت تکلیف دہ ہے اگر مولف نے لکھ ہی دیا تھا تو سندھی ادبی بورڈ کو اسے حذف کر دینا چاہئے تھا۔ اس سے کتاب کی افادیت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

اس سے قبل سندھی ادبی بورڈ کی ایک کتاب تاریخ مظہر شاہ جہانی کے اردو ترجمہ پر میں نے ایک مراسلہ کی صورت میں بھر پور تنقید کی۔ اس میں بھی قرآنی آیات کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا

گیا۔عبارتیں اور جملے مہمل میں نے خط کی نقل محترم مخدوم جمیل الزماں صاحب (جو صوبائی وزیر بھی ہیں اور سندھی ادبی بورڈ کے چیئر مین بھی) کی خدمت میں ارسال کی۔مخدوم صاحب دل گرفتہ ہوئے اورانہوں نے فوری طور پر کتاب کی فروخت پر پابندی لگادی۔مزید کرم فرمایا فون کر کے میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ پھر کوشش کے باوجود ان سے رابطہ نہ ہوسکا کہ ان کی سیاسی اور وزارتی مصروفیات سد سکندری کی طرح حائل رہیں جو تادم تحریر ہیں۔

امید ہے کہ مخدوم خلیق الزماں صاحب چیئر مین سندھی ادبی بورڈ،ادارہ کے تنظیمی امور کو توجہ بخشیں گے۔کسی بھی علمی،تحقیقی کتاب،خاص طور پر اردو ترجمے کی اشاعت کی ذمہ داری اہل علم حضرات کے سپرد کریں گے۔اور خاص طور پر پروف ریڈنگ کے لیے کسی ایسے فرد کا انتخاب فرمائیں گے جسے عربی،فارسی،سندھی اور اردو زبان سے شناسائی ہو اور یہ احتیاط بھی لازمی ہے کہ قرآن حکیم کے اصل متن کی املا صحیح ہو اور سورۃ وآیت کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ لکھنے کو تو بہت کچھ اور بھی لکھا جاسکتا ہے مگر ان معروضات پر تبصرہ ختم کرتا ہوں۔

زباں زِ نُطق فروماند رازِ من باقیست
بضاعتِ سُخن آخر شُد و سخن باقیست

بزم صوفیہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

اس میں صاحب تصانیف صوفیائے کرام ابوالحسن علی ہجویری،خواجہ معین الدین چشتی،خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،قاضی حمیدالدین ناگوری،شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ صدرالدین عارف،خواجہ فریدالدین گنج شکر،شیخ فخرالدین عراقی،شیخ امیر حسینی، خواجہ نظام الدین اولیاء،شیخ بوعلی قلندر پانی پتی،ابوالفتح رکن الدین،شیخ برہان الدین، شیخ خواجہ نصیر الدین محمود،ضیاء الدین بخشی وغیرہ کے حالات وتعلیمات وارشادات کی تفصیل ان کے ملفوظات اور تصنیفات کی روشنی میں کی گئی ہے۔

قیمت =/۳۰۰ روپے

مطبوعات جدیدہ

طور معنی: از منشی احمد حسین سحر کاکوروی، مقدمہ و تصحیح و تعلیق جناب رئیس احمد نعمانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۴۹۴، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: ایران کلچر ہاؤس، ۱۸-تلک مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱۔

حروف تہجی کے اعتبار سے آرزو سے یقینی تک برصغیر ہند کے ۲۹۵ فارسی شعراء کا یہ تذکرہ ہندوستان کی تذکرہ نگاری کا ایسا عمدہ نمونہ ہے جس پر بجا طور پر ہندوستان کے ادب فارسی کو ناز ہوسکتا ہے، فخر و ناز کی یہ متاع تذکرہ نگار کو جس طرح زیبا ہے، اسی طرح اس کے مقدمہ نگار و مصحح و صاحب تعلیقات بھی لائق ستائش ہیں کہ ایک نہایت اہم، مفید اور معلومات افزا تذکرہ ان کی سخت محنت بلکہ جاں کاہی اور دیدہ ریزی کے طفیل آج قدردانوں کو میسر ہے، کیسے کیسے با کمال تھے، تیرہویں صدی ہجری کو ابھی گے دن ہوئے، بارہ بنکی ضلع کے قصبہ دیوہ کے منشی احمد حسین حاجی سحر نے فارسی تذکرہ نگاری کے خزینہ کو اس کتاب کی شکل میں ایسا گوہر بے بہا عطا کردیا کہ خود ایران کے جوہر شناسوں کو کہنا پڑا کہ ''چشم ہنر شناس را می نوازد و خرد ژرف کاو را خیرہ می سازد و جان شیفتہ معنا را جلا می بخشد''، منشی احمد حسین سحر نے خود کو آشفتہ مزاج و پریشان روزگار جیسے الفاظ سے متعارف کرایا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ فخر خاقانی و ظہوری اور رشک ظہیر فاریابی تھے، نثر نویسی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے لیکن اس طور معنی سے اندازہ ہوتا ہے کہ تلاش و تحقیق میں بھی ان کی نگاہ میں کیسی کیسی تجلیاں ظاہر ہوتی رہیں، آشفتہ مزاجی کے باوجود ان کو یہ احساس تھا کہ ان کے جوہر کو دیکھ کر کون ہے جو ؏ مثل آئینہ وہ از سرتا بہ پا حیراں نہیں، ان کا ایک کمال یہ بھی رہا کہ سخنوران فارسی کے کلام کے جمع و انتخاب و نقد کے باوجود وہ خود فارسی شعر گوئی سے محروم تھے اور بڑی دیانت داری سے ''زمرۂ این نکتہ پردازاں خود را محسوب نکردہ است'' کا اظہار کرتے تھے، زیر نظر تذکرہ کے علاوہ بہار بے خزاں اور آئینہ حیرت دو اور تذکرے ہیں، جن کا ذکر فاضل مقدمہ نگار نے مقدمہ بڑی جامعیت سے کیا، یہ مقدمہ کیا ہے؟ ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان فارسی تذکرہ نگاری کی ایک تاریخ ہے جو مکمل نہ سہی لیکن اس کی جامعیت میں کوئی کلام نہیں اور طور معنی کے متعلق تو ہر قسم کی معلومات کا ایک خزانہ جمع کردیا گیا ہے، اس کے خطی نسخوں کی تفصیل، اس کے مندرجات، بعض دوسرے ناقدین کے تسامحات کی نشان دہی، اس

کے مراجع ومصادر اور متعدد نسخوں سے تقابل، مذکورہ اشعار کی اصل دواوین سے مراجعت، اختصار کی تفصیل، اجمال کا اطناب، مبہم کی توضیح کا اندازہ مقدمہ ہی سے نہیں پوری کتاب سے کیا جاسکتا ہے، آخر میں کتابیات اور اشاریوں کا سلیقہ بھی پوری طرح جلوہ گر ہے ۔ فاضل مرتب کی فارسی شاعری ان کے مداحوں کے لیے کرشمہ قدرت ہے لیکن اس کتاب سے فارسی تحقیق وتالیف میں ان کے مقام ارجمند کا تعین بھی ہو جاتا ہے، یادداشت کے عنوان سے مرتضی شفیعی شکیب رایزن فرہنگی کی تحریر بھی ہے جس میں ہندوستان میں اب بھی موجود ہزاروں فارسی مخطوطات کے متعلق کہا گیا کہ اکثر فرسودہ و بوسیدہ ہیں، ان کی درستگی تو کیا اب تک ان کی کوئی مستند فہرست بھی تیار نہیں کی جاسکی ہے، صرف کتب خانہ آصفیہ میں چوبیس ہزار مخطوطات میں قریب دس ہزار فارسی زبان میں ہیں ۔ انہوں نے بالکل درست کہا کہ ''ایں گنج گہربار کہ میراث نفیس ومشترکہ دوملت ایران و ہنداست'' ان کی فکر کی جانی چاہیے اور شاید اسی وجہ سے زیر نظر کتاب آج قدردانوں کی دسترس میں ہے۔

دھوپ چھاؤں: از پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۹۲، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ اور حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ کے علاوہ مکتبہ جامعہ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔

اردو کے سوانحی ادب میں جزوی خودنوشت کی مثالیں کم ملتی ہیں، زیر نظر کتاب کے بارے میں پہلے ہی جملے میں کہا گیا کہ یہ خودنوشت نہیں لیکن آگے چل کر کہا گیا کہ اگر کتاب زندگی مرتب کرنے کا موقع ملے (اور خدا کرے کہ یہ موقع ضرور ملے) اور اس کے ابواب کے تقسیم کی بات ہوتو مسلم یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی کی سرگزشت وہی ہوگی جو اس کتاب میں ہے، یعنی قریب ۴۱ء سے ۴۹ء تک کا زمانہ، یہ فاضل مصنف کے عنفوان شباب کا زمانہ ہے، ظاہر ہے زندگی کی دھوپ چھاؤں کی اثر پذیری کا بھی یہی دور ہوتا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ہندوستان کی تاریخ کا یہ وہ دور ہے جب پورا ملک اور خاص طور پر اس کی دو بڑی قومیں اس دھوپ چھاؤں سے گزر رہی تھیں جن سے خود ان قوموں کی زندگی ایک نئی تاریخ لکھنے کے لیے تیار ہو رہی تھی، اس لحاظ سے فاضل مصنف کی زندگی کی یہ روداد صرف ان حالات کا آئینہ نہیں جو ان پر گزرے، بلکہ یہ ایک بڑے پرآشوب دور کے احوال بھی ہیں جب خدا جانے کتنے خواب دیکھے گئے، کتنے سراب سامنے آئے اور کتنے چشمہ حیواں، تشنہ لبی کا ساماں

ثابت ہوئے، یہ روداد واقعی بڑی دلچسپ اور شاید بڑی عبرت آموز بھی ہے، تقسیم ہند کے اس دور میں مصنف محترم پر مولانا آزاد کی اہمیت اس طرح آشکار ہوئی کہ وہ غیر متزلزل عقیدت میں بدل گئی، تقسیم کے وقت گھر سے دور کسولی میں جو گزری اور پھر لاہور تک تقدیر نے جس طرح پہنچایا یہ ساری داستان واقعی دھوپ چھاؤں کی عجب کہانی ہے اور بجا طور پر یہ کہنے کا حق ہے کہ مرشد، اساتذہ، احباب کے علاوہ اس زندگی نے جسمانی اور کہیں ذہنی و قلبی راحتوں کے ساتھ جو اذیتیں دیں، شخصیت ان ہی سے بنی، مستحکم ہوئی اور پھر نکھر گئی، شروع میں پس منظر کے طور پر خاندان شروانی کی تاریخ بھی ہے، اس میں خاندان والوں کی دلچسپی کا زیادہ سامان ہے لیکن جہاں مولانا حبیب الرحمٰن خاں اور نواب عبید الرحمٰن خاں کا ذکر ہو اس کی دلچسپی محدود کہاں رہ سکتی ہے، علامہ شبلی کی اس خواہش کا ذکر بھی آگیا کہ وہ اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی مل کر ایک کتاب لکھیں جس کے مصنف کا نام حبیب شبلی ہو۔ ندوہ مولانا شروانی کا رہین احسان ہے اسی لیے وہ مولانا شروانی کو اپنے بانیوں میں شمار کرتا رہا، فاضل مصنف نے افسوس ظاہر کیا کہ ندوہ کے برخلاف مسلم یونیورسٹی نے شایان شان اعتراف نہیں کیا، کوئی سمینار نہیں، کسی رسالہ کا کوئی شمارہ ان سے خاص نہیں، پی ایچ ڈی یا ایم فل تو دور کی بات ہے۔ دس سالہ روداد حیات میں کثرت سے نام آئے ہیں، واقعات ہیں، اثر قبول کرنے اور اثر انداز ہونے کی باتیں ہیں، جن میں بڑے دلچسپ جملے آگئے ہیں جیسے دو صاحبوں کے متعلق یہ جملہ کہ ''انہوں نے اس رندی سے جو پارسائی کا دوسرا نام ہے توبہ کر لی'' اسی طرح پروفیسر عبدالعلیم کا یہ جملہ کہ ''اگر شریعت کا یہ حکم ہے کہ لڑکیاں پردے کے پیچھے بیٹھیں تو یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ ایم۔اے بھی ضرور کریں'' لیکن اصل تو وہ جملے ہیں جن میں ایسی پر حکمت باتیں آگئی ہیں جو اعتدال و توازن کے لحاظ سے بڑی بڑی بحثوں پر بھاری ہیں، مولانا شبلی کی کتابوں سے متاثر ہونے کے ذکر میں اور بھی بہت کچھ آگیا کہ علی گڑھ کی آزاد خیالی کی فضا نے ان کے جوہر کو جلا بخشی تھی لیکن انہوں نے یہ قرض مع سود ادا کر دیا، اس کی تفصیل میں قلم جذباتی ہو گیا، انہوں نے شبلی و آزاد کو علی گڑھ تحریک کے مخالف بتائے جانے کے بارے میں لکھا کہ اس میں محض جزوی صداقت ہے، یہ صرف اس تحریک کے سیاسی موقف سے متفق نہیں تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ فاضل مصنف نے بڑی صراحت کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا کہ ایم اے او کالج کے سب سے ممتاز استاذ علامہ شبلی اور سب سے نامور طالب علم مولانا جوہر ہیں۔ قریب ہر صفحہ پر واقعات کی رو

میں آنے والے ایسے حکیمانہ خیالات کے کتنے موتی ملتے جاتے ہیں، خلیق نقوی بدایونی کی فانی بدایونی کی فوقیت کی بات میں بڑی خوبی سے محدود علاقائیت اور خاندانوں کی عصبیت کی بت شکنی کی گئی۔ ہمارے لیے ان سب سے بڑھ کر فاضل مصنف کا وہ جذبہ ہے جو نہایت سخت حالات میں اعلان کرتا ہے کہ مرنا ہی ہے تو مسلمان رہ کر کیوں نہ مریں، اسلام چھوڑ کر مرنے سے کیا فائدہ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ احساس کہ یہ روداد حیات رمضان سے شروع ہوئی، رمضان ہی میں پوری ہوئی، ولادت بھی رمضان میں ہوئی، اس کتاب کی آخری سطریں بھی رمضان میں لکھی گئیں، اللہ کی رحمت سے کیا بعید کہ موت کے لیے بھی رمضان ہی میسر آجائے۔ ہماری دعا ہے کہ دھوپ چھاؤں کا یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہے اور دوسروں کو جینے کا سلیقہ عطا کرتا رہے۔

آزادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا حصہ: از پروفیسر عبدالمنعم النمرؒ، ترجمہ از مولانا محمد علاءالدین ندویؒ، تصحیح و تہذیب محمد شفاءالدین ندوی، محمد وقارالدین لطیفی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۲۶۸، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

مصر کے سابق وزیر اوقاف اور نامور اہل علم و قلم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر اپنی کتاب کفاح المسلمین فی تحریر الہند کی وجہ سے عربی داں حلقہ میں معروف رہے، یوروپ کے مورخوں کے سوا اور علاقوں اور زبانوں میں آزادی ہند کی تاریخ کے براہ راست مطالعہ و تجزیہ کی کوششیں کم ہوئیں، پروفیسر النمر نے مطالعہ تاریخ ہند کا عرب دنیا میں ایک باب کھولا، ان کی کتاب کو مصر یا عالم عرب ہی میں نہیں خود ہندوستان میں وقعت کی نظر سے دیکھا گیا کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز مسلم تعلقات، دیوبند، علی گڑھ، سرسید، کانگریس، تقسیم بنگال، مسلم لیگ، عدم تعاون، گاندھی، نہرو، خان عبدالغفار خاں، ہندو مسلم اتحاد و اختلاف، تقسیم ملک، گاندھی کا قتل، دہلی کے فسادات جیسے موضوعات پر بڑی گہرائی اور دیانت دارانہ غیر جانبدارای سے معلومات کو پیش کیا گیا، مصنف کے مطالعہ و تجزیہ کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کو لکھا کہ ''اس بات پر حیرت ہے کہ کس طرح اتنی جلد آپ ان حقائق تک پہنچ گئے جو بہتوں کی نگاہ سے اوجھل رہ گئے تھے'' ایسی عمدہ اور قیمتی کتاب کا حق تھا کہ اسے اردو دنیا سے روشناس کرایا جائے، پروفیسر النمر کے ایک عقیدت مند، شاگرد اور معروف عالم مولانا علاءالدین ندویؒ سے مولانا قاضی مجاہدالاسلام نے اس کے ترجمہ کی فرمائش کی، جنہوں نے کچھ ایسے

جذبے سے اس کی تعمیل کی کہ چند مہینوں میں یہ ترجمہ مکمل ہوگیا، وہ بھی ایسی سلاست روانی سے کہ کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ طبع زاد نہیں۔ لیکن بعض موانع کی وجہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی مگر اب نہایت اہتمام سے مترجم مرحوم کے فرزندوں نے اس کو شائع کر کے اپنے والد مرحوم کی آرزو کی تکمیل ہی نہیں کی، اپنے لیے سعادت دارین کی سند بھی حاصل کر لی۔

نوائے مشتاق: از جناب مشتاق احمد مشتاق مرحوم، مرتبہ جناب سہیل احمد اصلاحی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۶۸، قیمت ۱۲۰ روپے، پتہ: سہیل احمد اصلاحی، شبلی نیشنل انٹر کالج، اعظم گڑھ اور علی گڑھ و دہلی کے مکتبے۔

حمد ونعت، غزلوں، نظموں، رباعیوں کا یہ مجموعہ ایک ایسے شاعر کے حسن تخیل اور بلندی فکر اور قدرت اظہار کا نمائندہ ہے جن کی سرشت میں شرافت، تہذیب اور دردمندی شامل تھی، وہ کم نام کیا گم نام رہے، شہرت ان سے گریزاں رہی یا وہ شہرت سے، الفاظ کی صحت، زبان کی نرمی ونزاکت اور سب سے بڑھ کر خیالات کی رفعت تو یہی کہتی ہے کہ مومن واصغر وجگر کی یاد دلانے والی شاعری کا حق تھا کہ طائر شہرت اس کے بام ودر کا مہمان ہوتا، کانٹوں میں رہ کر ہنستے رہنے والے پھول سے آداب زیست سیکھنے کی تلقین وہی کر سکتا ہے جس نے زندگی کو قریب سے دیکھا ہی نہیں خود زیست کرنے کا حق بھی ادا کیا ہو

اے عشق شاد باش تری اک نگاہ نے دشواری حیات کو آساں بنادیا
خوشبوئے گل کی طرح، موج صبا کے مانند گلشن دہر میں ہاں تم بھی خراماں ہونا
اس کو حاصل ہو کیا بقائے دوام جس کو ذوق فنائے ذات نہیں

ایک دو نہیں، ہر غزل میں ایسے اشعار جو دامن نظر کو کھینچ لیں

آگ لگادوں ، دل جل جائے لیکن تم پر آنچ نہ آئے
آنکھ میں اشک نہ آنے پائے گھر کی بات نہ باہر جائے
زندگی کیا ہے اور موت ہے کیا یہ اسیری ہے وہ رہائی ہے

افسوس کہ ایسے پاکیزہ گو شاعر سے عام اردو دنیا بے خبر رہی لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ ان کی اس میراث کی قدر ان کے لائق صاحبزادے نے ترتیب وطباعت واشاعت سے کی۔ ع-ص

(تبصرہ کے لیے دو کتابیں آنا ضروری ہیں)

رسید مطبوعہ کتب

۱-ارمغان حافظ: عبداللہ سلمان ریاض قاسمی، تاج پرنٹرس، شیواجی نگر، بنگلور۔ قیمت: ۳۶۰ روپے

۲-سوئے حرم: محمد معین الدین، عطاء الرحمٰن، الرحمٰن پبلیشرز، ۱۸/زکریا اسٹریٹ، گراؤنڈ فلور، کولکاتا، ۷۰۰۰۷۳۔ قیمت: ۲۰۰ روپے

۳-سید عبدالرب صوفی-شخصیت اور شاعری: ڈاکٹر طٰہٰ فاروقی، ڈاکٹر یٰسین لائبریری اناؤ، دارالعلوم فتوح الاسلام، شیخ واڑہ، اناؤ۔ قیمت: ۳۰۰ روپے

۴-صہبا و سمن: محشر عنایتی، سلیم عنایتی، ۵۷/۴۰۔ پریڈ، کانپور۔ قیمت: ۱۵۰ روپے

۵-عرفان عرفی: ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی، ڈاکٹر یٰسین لائبریری، الہدیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی، الہدیٰ روڈ شیخ واڑہ، اناؤ ۔ قیمت: ۵۰ روپے

۶-علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ عقب آواس وکاس کالونی، اعظم گڑھ و دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱۔ قیمت: ۲۴۰ روپے

۷-عہد اسلامیہ میں دربھنگہ اور دوسرے مضامین: محمد الیاس رحمانی، مرتب ڈاکٹر امام اعظم، ادبستان (احاطہ کاشانہ فاروقی) محلّہ گنگوارہ، پوسٹ سارا موہن پور، دربھنگہ ۸۴۶۰۰۰۷۔ قیمت: ۲۵۰ روپے

۸-فیضان عرفی (حضرت علامہ عرفی گنج مرادآبادی): ڈاکٹر محمد طٰہٰ فاروقی، یٰسین لائبریری، شیخ واڑہ اناؤ۔ قیمت: ۱۰۰ روپے

۹-مشعل راہِ علم و ہنر: حکیم محمد جنید عباسی، محلّہ قضیانہ قصبہ منڈیاہوں، ضلع جونپور۔ قیمت: ۵۰ روپے

۱۰-یادِ ایام، تذکرۂ ماضی و حال: حکیم محمد جنید عباسی، محلّہ قضیانہ قصبہ منڈیاہوں، ضلع جونپور۔ قیمت: ۵۰ روپے